جلد 23 شمارہ 6 ماہ جون 2021ء شوال/ذیقعد 1442ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

الله

محبت صداقت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فھد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

دل کی بات

ہر توحیدی سالک جو اپنے مقاصد میں یکسو ہے، جانتا ہے کہ ذکرِالٰہی ایسا زبردست ہتھیار ہے جس سے وہ اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو ہٹاتا ہوا منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے جیسے مادّی خوراک سے ہمارا بدن مضبوط ہوتا اور پرورش پاتا ہے اسی طرح ہمارا روحانی وجود ذکر سے جلا پاتا اور لطیف سے لطیف تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس حقیقت کا ادراک ایک سالک جس طرح کرسکتا ہے ویسے ایک عام مسلمان نہیں کرسکتا۔ اللہ کریم کو اپنا ذکر کرنے والے اس قدر محبوب ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ سورۃ الکہف آیت: 28 میں اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ سے فرماتے ہیں:

﴿ وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡهُمۡ تُرِیۡدُ زِیۡنَةَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَکَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا ﴾

ترجمہ: ''آپ ﷺ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیے! جو اپنے ربّ کو صبح و شام صرف اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ خوش ہو جائے۔ اور آپ ﷺ کی آنکھیں ان سے تجاوز نہ کریں مبادا! لوگ سمجھیں کہ آپ دنیاوی زندگی کی زینت چاہتے ہیں اور ہرگز اس شخص کی بات نہ مانیے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے''۔

اس آیت سے یہ اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیارے پیغمبر ﷺ کو بطورِ خاص اور بار بار ذاکرین کی دل جوئی کا کہہ رہے ہیں: کبھی **واصبر نفسک**، کبھی **ولا تعدعینک** اور کبھی **ولا تطع** کے الفاظ کے ساتھ۔ سالکین راہِ خدا جانتے ہیں کہ یہ سلسلہ آج بھی اسی طرح

جاری و ساری ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں تھا۔اس طرح کا ایک مضمون سورۃ ھود آیت 30,31 میں بھی موجود ہے جب حضرت نوحؑ کو ان کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تمہاری بات کیسے مانیں جب کہ تمہارے پیرو کارتو کمی اور عام قسم کے لوگ ہیں (یعنی تم ان کو اپنے آپ سے دور ہٹاؤ تو پھر شاید ہم تمہاری بات سنیں، کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری شان کے خلاف ہے)حضرت نوحؑ نے جواب دیا کہ اگر میں ان کو اپنے آپ سے دور ہٹاؤں تو پھر مجھے اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا۔نیز کہا کہ اللہ خوب جانتا ہے جو اہل ایمان کے دلوں میں ہے (یعنی اللہ کا پیار)اور اگر میں نے ان کے بارے میں کچھ کہا تو میں یقیناً ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

ایک دھیان سا لک کو مگر رکھنا پڑتا ہے کہ ''**یــریـدون وجهــه** '' انکا ٹارگٹ ہے۔بابا جان انصاریؒ نے سلسلہ توحیدیہ کے مقاصد ڈیزائن ہی اس طرح سے کیے ہیں جیسا کہ مذکورہ آیت میں اللہ نے بیان کیا ہے۔''یعنی اے اللہ! مجھے اپنی لقاء سے شرف فرما اور اپنا جمال جہاں آراء دکھادے''۔

حقیقی توحیدی سا لک یقیناً اسی اخلاص نیت سے متصف ہوتا ہے اگر چہ اس کے ساتھ کئی ضمنی چیزیں اور بھی ہوتی ہیں جس کا خیال اسے رکھنا پڑتا ہے مگر اصل کردار حسن نیت کا ہی ہوتا ہے ۔ خلاصہ کلام یہ کہ ہمیں اللہ کے ذکر کو اتنی اہمیت دینی چاہیے کہ کسی اور شے کی نہ ہو۔ہمیں بزرگوں کا ساتھ غنیمت جان کر زندگی کی اس مختصر مہلت کا بھر پور فائدہ اٹھانا چاہیے اور ذکر الٰہی کے قیمتی ترین موتیوں سے اپنا دامن بھر لینا چاہیے۔

اللہ کریم ہماری ٹوٹی پھوٹی مساعی کو محض اپنے فضل و کرم سے شرف قبولیت بخشے۔ آمین!

والسلام

مدیر

اصلاح کا کام

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

ارکان سلسلہ عالیہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی سلسلہ توحیدیہ قائم کرنے کی غرض و غایت کیا تھی۔ آپؒ نے سلسلہ کی مکمل تعلیم، اس کی انفرادیت اور اغراض و مقاصد اپنی تصانیف میں بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر فرما دیئے۔ آپؒ نے روحانی بنیادوں پر اصلاح کی اس تحریک کو شریعت کے مطابق اور سائنسی بنیادوں پر منظم کیا تا کہ اللہ والے صوفیوں کی ایک جماعت تیار کی جائے، جو مخلوق خدا کی خدمت اور اصلاح کا کام روحانی طریقے سے انجام دے سکے۔

اصلاح کے لیے مطلوبہ صلاحیت پیدا کرنے کے لیے سلسلہ کی تعلیم میں کثرت ذکر کے ساتھ ساتھ نماز کی پابندی اور اخلاق کی اصلاح پر بہت زور دیا گیا ہے اور تمام مریدوں کو اس تعلیم پر پورے جوش و جذبہ اور ثابت قدمی سے عمل کرنے کا حکم ہے کیونکہ اصل چیز تعلیم ہی ہوتی ہے۔ شخصیتیں آتی جاتی رہتی ہیں لیکن تعلیم باقی رہتی ہے اسی لیے بانی سلسلہ نے کبھی بھی شخصیت پرستی کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ آپؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم دیدار بازی کے قائل نہیں ہیں۔ مرشد کو زندگی میں دو چار مرتبہ دیکھ لینا کافی ہے اصل کام تعلیم پر عمل ہے۔ تعلیم پر عمل کرو گے تو جہاں بھی ہو گے تمہیں میرا فیض پہنچتا رہے گا۔ اگر تعلیم پر عمل نہ کرو گے تو میرے ساتھ رہنے سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا۔

قارئین کرام! اس وقت ہمارا ملک بلکہ پورا عالم اسلام جس نازک دور سے گزر رہا ہے اور جو ہماری اخلاقی حالت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہمیں مایوس ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ ہمیں رجائیت کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر کرم فرما دیں تو حالات بدلتے دیر نہیں

لگتی۔لیکن اسلام بے عملی کی تعلیم نہیں دیتا اس لیے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا کسی صورت بھی مناسب نہیں ہے۔ہم سب بھائی دل سے یقین رکھتے ہیں کہ بانی سلسلہ کی تعلیم قرآن کریم اور حضور رحمۃ للعالمین کی سنت کے عین مطابق ہے۔اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تعلیم کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے جو عظیم ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اس کا احساس کریں اور اس تعلیم کو نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے کونے کونے میں پھیلانے کے لیے عزم صمیم کر لیں۔ یہ بہت بڑا کام ہے لیکن اللہ کی مدد شامل حال ہو تو کوئی چیز ناممکن نہیں رہتی۔ہاں شرط یہ ہے کہ اللہ کی خاطر اس کام کے لیے کمر ہمت باندھ لیں۔اللہ تعالیٰ سورۃ محمد آیت نمبر 7 ارشاد فرماتے ہیں:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْo

ترجمہ: ’’اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔‘‘

’’میں انتہائی دل سوزی کے ساتھ سلسلہ کے بزرگ اور نوجوان بھائیوں کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ وقت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اصلاح اُمت کے کام کو دوسرے سب کاموں پر فوقیت دیتے ہوئے اسے اپنی زندگی کا مقصود قرار دے لیں۔اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی اصلاح کا کام بانی سلسلہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہر بھائی، ہر جگہ اور ہر مناسب موقع پر کرنے کا عزم کرے۔لوگوں کے دل اور انسانی کوشش کے ثمرات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں ہمیں نتائج کو اللہ پر چھوڑتے ہوئے لوگوں کو نماز کی پابندی، کثرت ذکر، توکل علی اللہ اور کسب حلال کی دعوت دینے کا کام جوش و جذبہ کے ساتھ جاری رکھنا ہے۔‘‘

اس سلسلہ میں بھائیوں کے ذہن میں جو تجاویز ہوں وہ ضرور سامنے لائی جائیں تاکہ انہیں اپنا کر بہتر نتائج حاصل کیے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے جو بندے غفلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو بھولے ہوئے ہیں وہ اس کے در پر آجائیں اور حضور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتے ہوئے دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائیں۔

''محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اللہ کی مخلوق کی اصلاح کا کام کرنے سے بڑی کوئی نیکی نہیں ہے یہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرنا ہے۔اس کی راہ میں دل اور جان سے جہاد کرنے والوں کو اللہ نے دنیا اور آخرت میں اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے اور آپ بے شک آرزو بھی کریں آپ سلسلۂ توحیدیہ کی تعلیم کے فروغ کے لیے جس قدر خلوص اور محنت سے کام کریں گے اللہ اپنے فضل سے روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ اسی قدر دنیوی خوش حالی بھی عطا فرمائے گا۔''

اللہ کے بھروسہ پر یہ کام ہمیں ہی کرنا ہے کیوں کہ اس کے لیے آسمان سے فرشتے تو نہیں آئیں گے۔ البتہ جو اللہ کی رضا کی خاطر کام کرتے ہیں اللہ ان کی مدد ضرور فرماتے ہیں اور اگر فضائے بدر پیدا ہو جائے تو فرشتے بھی مدد کے لیے اتر آتے ہیں۔ میں اپنی علمی بے مائیگی کے باوجود اپنی سمجھ بوجھ اور اہلیت کے مطابق اپنے ہادی و مرشد کے مقدس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی سی کوشش کر رہا ہوں۔

اللہ کی رضا اور حضورﷺ کی خوشنودی کی خاطر تعمیر ملت کے اس کام میں آپ بھائی جو تعاون کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

جو اللہ تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں اللہ ان کا ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کے دین کی رحمتیں اور برکتیں اور مادی سہولتیں دوسرے انسانوں تک پہنچانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں اللہ ان کے کاموں کو سنوارنے میں لگ جاتے ہیں اور ان کے سب کاموں میں برکت ڈال دیتے ہیں۔

اب میں سلسلۂ توحیدیہ کی تنظیم کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارا یہ سلسلہ کوئی سیاسی یا معاشرتی جماعت نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک خاص صوفیوں کی جماعت ہے۔ یہ سلسلہ صرف لوگوں کے اخلاق کی اصلاح روحانی طریقوں سے کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔

''روحانی سلسلوں میں جب تک اپنے شیخ یعنی مرشد کی کامل اطاعت نہ کی جائے تصوف کا علم حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے جو لوگ واقعی ترقی کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اپنے مرشد کی ہدایات پر پوری دل جمعی کے ساتھ عمل کریں۔ اس کے علاوہ بزرگوں کی صحبت

کے بارے میں ایک نازک سا نکتہ یہ ہے کہ روحانی فیض صرف اور صرف محبت کی تاروں کے ذریعے منتقل ہوتا ہے اس لیے کسی بزرگ سے فیض حاصل کرنے کے لیے ان کے ساتھ صرف عقیدت کا ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس میں محبت کی چاشنی کا شامل ہونا بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح جس آدمی کی اصلاح کرنا مقصود ہو جب تک اس کے لیے پوری دل سوزی کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ آپ کے اندر کارفرما نہیں ہوگا اصلاح کا کام بار آور نہیں ہو سکے گا، اس لیے آپ سب بھائیوں کو محبت کے جذبہ کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا چاہیے کیوں کہ دل محبت ہی سے فتح کیے جاتے ہیں۔ اس اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ گناہ سے تو نفرت ہونی چاہیے لیکن گنہگار سے ہرگز نہیں۔ اس پر تو آپ کو رحم آنا چاہیے کہ بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا گیا یہ انسان ناسمجھی، کج فہمی اور غفلت کی وجہ سے جہنم کے گڑھے کی طرف بڑھے چلا جا رہا ہے اور اسے اس دردناک انجام سے بچانے کے لیے اپنی ساری ہمت صرف کر دینی چاہیے۔''

اگر ہم یہ کام محض اللہ کی رضا کی خاطر سرانجام دیں اور اس میں ذاتی بزرگی کا خیال اور نام و نمود کی خواہش کی کوئی آمیزش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت یقیناً ہمارے ساتھ ہو گی۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی بندہ اللہ کا کام کر رہا ہو اور اللہ اس کی مدد نہ کرے۔ آپ قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کے احکام کے مطابق نماز اور کثرت ذکر سے دلوں میں روحانی قوت پیدا کریں اور محبت و صداقت اور خدمت انسانیت کے عظیم مقصد کا علم تھام کر پوری دل جمعی کے ساتھ اصلاح کا کام شروع کر دیں تاکہ چراغ سے چراغ جلتے چلے جائیں اور محبت کا فیض عام ہو جائے اور کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسان اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی رحمت کے سایہ میں آ کر فلاح دارین حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو، ہماری راہنمائی فرمائے، ہر مشکل آسان فرمائے، اس عظیم کام کے لیے مطلوبہ ذرائع اور روحانی قوت عطا فرمائے اور لوگوں کے دلوں کو دین حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نقوشِ مہروفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

محفل میں آنے والے ایک مہمان نے سوال کیا کہ بیعت ایک ہی بندے کے ہاتھ پر ضروری ہے خواہ اس کے پاس فیض ہو یا نہ ہو؟ یا جب تک بندے کا مقصد پورا نہ ہو وہ مختلف بزرگوں کے پاس جاتا رہے؟

بابا جانؒ فرمانے لگے: "بیٹا بندہ جو ہے وہ ایک خاص مقصد کے لئے بیعت ہوتا ہے جیسے یہاں اللہ کا دیدار ہے کہ مجھے یہ حاصل ہو جائے، یا جیسے کوئی کہتا ہے کہ میرے روحانی لطائف کھل جائیں، یا روحانیت بندے میں پیدا ہو جائے، ایک مقصد کے لئے بندہ بیعت ہوتا ہے۔ بیعت کا مطلب ہے عہد کرنا۔ یہ عہد آپ کے اور آپ کے استاد کے درمیان ہوتا ہے۔ آپ کا مقصد ہوتا ہے، آپ کہتے ہیں کہ میرا یہ مقصد ہے۔ مرشد جو ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میں آپ کو تعلیم دوں گا، آپ اس تعلیم پر عمل کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو یہ مقصد مل جائے گا۔

اب فرض کیا کہ آپ کسی غلط جگہ پر بیعت ہو جاتے ہیں، یا آپ کہیں گئے جہاں باقی لوگ بیعت ہو رہے ہیں، کسی نے کہا کہ چلو جی بیعت ہو جاؤ، اور آپ بھی بیعت ہو گئے۔ آپ کا اپنا کوئی مقصد اس بیعت کا نہیں ہے۔ کسی نے کہا کہ زندگی میں ترقی اور برکت کے لئے بیعت ہو جاؤ اور آپ بھی بیعت ہو گئے۔ ایسی جگہ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بندہ کسی مقصد کے لئے بیعت ہوتا ہے کہ میں نے یہاں سے یہ حاصل کرنا ہے۔ اگر بندہ کسی غلط جگہ پر بیعت ہو گیا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے Change کرے۔ وہاں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اس بندے سے پیار تھا، کسی مقصد سے پیار نہیں تھا۔ جیسے کوئی سکول بند ہو جاتا ہے، آپ کو تعلیم سے

محبت ہے تو آپ کو کسی اور سکول جانا ہوتا ہے۔

جس بندے نے ایک پیر یا بزرگ سے کسی مقصد کے لئے بیعت کی، وہ مرجائے تو اس بندے پر فرض ہے کہ وہ دوسری جگہ جا کر بیعت ہو جائے۔ اس بندے کی زندگی کا ایک مقصد تھا، اگر یہ اس مرنے والے پیر کے ساتھ ختم ہو گیا تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا تعلق صرف اس بندے کے ساتھ تھا۔ اپنے مقصد کے ساتھ یا اللہ کے تقرب کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے بندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسری جگہ جا کر بیعت ہو جائے اور اپنی زندگی کا جو مقصد تھا اسے حاصل کرے۔

اگر آپ کسی غلط جگہ پر بیعت ہو گئے ہیں، جہاں سے اپنی زندگی کا مقصد حاصل نہیں کر سکتے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے بہت ادب کے ساتھ اجازت لیں، اگر سامنا نہیں کر سکتے تو چلو خط لکھ دیں کہ میں آپ کے پاس اس مقصد کے لئے آیا تھا، بیعت ہوا تھا، یہ مقصد مجھ سے پورا نہیں ہو سکا، اس لئے میں ادب سے اجازت چاہتا ہوں کہ میں آپ کی بیعت سے نکل کر اپنی زندگی کا مقصد کسی دوسری جگہ بیعت ہو کر حاصل کر سکوں۔

آپ کی بیعت یا عہد جو ایک مرشد کے ساتھ تھا، وہ ایک مقصد کے ساتھ مشروط تھا۔ اگر وہ مقصد حاصل نہیں ہو رہا تو اس بیعت کو آپ Break کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد کسی دوسری جگہ پر بیعت ہونا چاہئے تاکہ وہ مقصد حاصل ہو سکے۔

سوال کرنے والے مہمان نے قبلہ بابا جانؒ سے دوبارہ پوچھا: صحبت صالحین کی تو بڑی فضیلت ہے۔ کسی بندے کے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہوتا کہ اس کا شمار صالحین میں ہوتا ہے۔ بزرگوں کی محفل میں بار بار جانے سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صالح بزرگ ہیں۔ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں کہ بزرگوں کے پاس جانا چاہئے؟

بابا جانؒ فرمانے لگے: جب تک آپ بیعت نہیں ہوئے، آپ کو جانا چاہئے۔ یہ ٹھیک ہے۔ وہ اصل بات جو ہے صحبت صالحین، وہ آپ کے قلب کو محسوس ہونی چاہئے۔ ان کی صحبت

میں بیٹھ کر یا ان کی محفل میں جا کر دل اللہ کی جانب راغب ہونا چاہئے۔ آپ کی یہ کیفیت بننی چاہئے کہ میں اچھے اچھے نیکی کے کام کروں، اللہ اللہ کروں، اللہ کا ذکر کروں۔ ان کی صحبت میں یہ بات ہونی چاہئے۔ جب باہر جائیں تب بھی یہ کیفیت ہو، چاہے بعد میں یہ ختم ہو جائے لیکن پھر دوبارہ آئیں تو پھر یہ کیفیت بننی چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ قلب کا رجحان جو ہے یہ نیکی کی طرف ہو جائے اور برائی سے دل اُچاٹ ہو جائے۔ اس طرح کچھ عرصہ جاتا رہے۔ یہ کیفیت سوائے سچے ولی کے اور کہیں پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب دل مان جائے کہ ٹھیک ہے، میرا مقصد یہاں حاصل ہو سکتا ہے تو پھر با قاعدہ ان سے بیعت کر کے ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہو جائے۔ اس سے پہلے کہیں بھی، کسی بھی بزرگ کے پاس جانا چاہئے، جہاں آپ چاہیں جائیں۔ بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) کا بھی لکھا ہے کہ آپ دس سال تک کئی بزرگوں سے ملے، ہر رنگ کے لوگ دیکھے، ان کے اثرات بھی دیکھے بعض دفعہ بڑے بڑے لوگ تھے مگر ان سے بیعت نہیں ہوئے۔

سوال کرنے والے مہمان نے کہا: میں یہاں پہلی دفعہ آیا ہوں، کئی محفلوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ بندے کی ایک جستجو ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمیں شیعہ، سنی، وہابی، دیوبندی کے چکروں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ قحط الرجال ہے، جہاں جاؤ وہاں یہی بات ہوتی ہے کہ پہلے بیعت ہو، اس کے بعد کچھ ملے گا۔ بیعت تو ویسے ہی بغیر مقصد کے کرا دیا جاتا ہے۔

بابا جانؒ نے کہا: بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) فرماتے تھے کہ لوگ پیر ٹیسٹ کرتے ہیں، میں مرید ٹیسٹ کرتا ہوں کہ کیا یہ واقعی اللہ کی طرف جانا چاہتا ہے۔ یہ کسی ایسے مقصد کے لئے تو نہیں آیا کہ پیر فقیر کوئی نسخہ بتا دے گا، کوئی ایسی بات بتا دے گا کہ روپیہ بڑا ہاتھ آئے گا، پیر بن جائیں گے اور زندگی عیش سے گزرے گی۔ میں دیکھتا ہوں کہ بندہ واقعی اللہ کی طلب میں آیا ہے۔ بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہماری کتاب طریقت توحیدیہ ہے۔ جو بھی اس سلسلہ میں آنا چاہتا ہے وہ اسے پہلے دیکھ لے،

پڑھ لے کہ وہ اس پر عمل کر سکتا ہے تو آجائے ۔دوسرا یہ کہ بیعت کسی کو جلدی سے نہیں کرنا ۔پہلے وہ کر کے دیکھے کہ اس کو فائدہ ہو، اس کو محسوس ہو کہ میں چل پڑا ہوں، پھر بیعت ہو ۔بیعت ایسے کرنی چاہئے ۔جو بھی آئے گا کہ میں اب اس سلسلے میں طالب بن گیا ہوں ،لکھا ہے کہ چھ ماہ آپ کریں اور دیکھیں کہ نیکی کی طرف آپ کا رجحان بڑھا ہے، ذکر بھی پختہ ہو گیا ہے، اس میں لطف آنے لگا ہے ۔جب آپ میں روحانی کیفیت پیدا ہو، جیسے اللہ کہتا ہے کہ فَاذْكُرُونِيْ أَذْكُرْكُمْ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ ذکر کرے اور بندے کو محسوس نہ ہو؟ بندہ کرتا ہے تو اللہ کرتا ہے ۔جب تک بندہ مطمئن نہ ہو، یہ دیکھ نہ لے کہ میں صحیح چل پڑا ہوں تب تک بیعت نہ کی جائے ۔ہمارا بیعت کا سسٹم یہ ہے ۔

ہمارے ہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو بندہ آ رہا ہے اس کی خواہشات کیا ہیں؟ یہ کیوں بیعت ہونا چاہتا ہے ۔مقصد کیا ہے؟ آنے والا بندہ بھی دیکھے کہ ہاں اب میرا کام ٹھیک ہو گیا ہے ذکر کی کیفیات جو ہیں وہ پیدا ہو گئی ہیں ۔میرا قلب چل پڑا ہے ۔کسی کو پکڑ کر بیعت نہیں کرایا جاتا بلکہ دیکھ کر بیعت کیا جاتا ہے کہ وہ بندہ خود بولے کہ میں نے بیعت ہونا ہے ۔ایسا ہی ہونا چاہئے ۔بندہ ایک مقصد کے لئے پیر کے پاس آیا ہے، بیعت کی صورت میں اس کے پاس اس مقصد کے لئے رہنے کا عہد کیا ہے تو اسے نبھانا پیر کا بھی فرض ہے ۔جس پیر کو یہ پتا ہی نہیں ہے کہ میرا مرید ہے کون تو اس نے اصلاح کیا کرنی ہے؟ ایسے ہی جا کے بیعت ہو گئے ۔رسماً توجہ لینی پڑتی ہے، اس کی تعلیمات پر عمل کرنا پڑتا ہے، اپنے مقصد کے حصول کے لئے ذوق وشوق سے خود کسی پیر کی صحبت میں میدانِ عمل میں اترنا پڑتا ہے ۔

اسلام : موجودہ مسائل کا حل

(پیر خان توحیدی)

اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا نام اسلام ہے۔حضور سرورِ کائنات کی تعلیم کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔اسلام وہ سیدھا دین ہے جسکی عام فہم تعلیم ہر ایک کی سمجھ میں بآسانی آ سکتی ہے۔اسلام وہ دین ہے جو انسان کی سرشت کو بیان کرتا ہے اور ایسے احوال بتاتا ہے جن میں تبدیلی ناممکن ہے۔اسلام وہ دین ہے جو انسان کو ساری کائنات کا سردار بناتا ہے اور بندوں کا تعلق اپنے اللہ سے مضبوط اور مستحکم کرتا ہے اسلام وہ دین ہے جو انسان کو اللہ کے حضور ذلیل اور عاجز بندہ بننے کی تعلیم دیتا ہے قوموں اور ملکوں کو متحد اور متفق بنا کر ان میں مساوات قائم کرتا ہے اسلام ہی وہ دین ہے جس کے اصول عیسائیوں،یہودیوں،بت پرستوں،منکروں، ملحدوں اور توہم پرستوں کے اصولوں پر غالب ہیں۔

اس وقت دنیا میں تقریباً ستر کے قریب مسلم ممالک کی تعداد ہے جہاں تقریباً ڈھائی ارب کے قریب مسلمان بستے ہیں بہت سارے مسلمان دیگر ممالک میں بسلسلہ روزگار سکونت پذیر ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہر جگہ اور ہر ملک میں مسلمان کو اچھی نگاہ سے دیکھا نہیں جاتا آئے دن ریڈیو،ٹی وی اور دیگر ذرائع نشر و اشاعت سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو ہر جگہ ذلیل و خوار کیا جاتا ہے اور ان کے ممالک میں قتل و غارت کے بازار گرم ہیں۔فحاشی اور عریانی عام ہے مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑایا جا رہا ہے۔ان کی طاقت کو کمزور کیا جا رہا ہے اور ان کے مسائل کو بڑھایا جا رہا ہے۔یہ سب کچھ ہونے کے باوجود مسلمانوں کے اندر نہ تو قومی غیرت جاگتی ہے اور

نہ مسلمانی جذبہ ابھرتا نظر آتا ہے یہ اپنی ایمانی قدروں کو بھول گئے ہیں غیروں کے طرزِ زندگی کو اپنا فخر اور بڑائی جانتے ہیں۔

دنیا کا خواہ کوئی بھی معاشرہ ہو کوئی بھی ملک ہو اگر وہ زندہ رہنا اور ترقی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے فکری تسلسل کو برقرار رکھے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو وہ اپنی اجتماعی حیثیت کھو بیٹھتا ہے اور تنزل کا شکار ہو جاتا ہے۔ آج دنیا ترقی کے راستہ پر گامزن ہے مسلم مما لک بھی بڑی تیزی سے ترقی کر رہے ہیں۔ تعلیم، صنعت وحرفت اور مختلف شعبوں میں اپنا نام تو پیدا کر لیا ہے لیکن اللہ کو بھول گئے ہیں اس کی اطاعت، عبادت اور اس کی فرمانبرداری سے منحرف ہوئے جاتے ہیں جسکی وجہ سے ان سارے مما لک کو زبردست بگاڑ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے یہ عظیم کائنات اللہ نے انسان کے لئے پیدا کی ہے اور انسان کو اپنی اطاعت عبادت اور ریاضت کے لئے پیدا کیا ہے لیکن انسان اپنے حقیقی مقصد کو بھول کر غلط رخ پر چل نکلا ہے اور حرص وہوس نے انسانی ذہن کو اپنے شکنجہ میں لے لیا ہے وہ چاہتا ہے کہ دنیا کی ساری دولت اس کے ہاتھ آجائے اس کے لئے وہ ہر قسم کے غلط طریقے اور ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے لاکھوں کروڑوں روپے جمع کر کے بھی اسے تسلی حاصل نہیں ہوتی اور مزید دولت حاصل کرنے کی حرص بڑھتی ہی چلی جاتی ہے جسکی وجہ سے انسانی مسائل میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ایسے حالات میں جب ساری دنیا کے مسلمانوں پر ظلم وزیادتی قتل وغارت، فرقہ پرستی اور دہشت گردی کے بادل منڈلاتے دیکھائی دیتے ہیں، نہ کسی کی جان محفوظ ہے اور نہ کسی کا مال ہر طرف لوٹ مار اور کرپشن کا زور ہے تو اسلام ہی ایک راستہ ہے جسکے ذریعہ نجات حاصل ہونے کے امکان ہیں۔ اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام ہی امن وآشتی کا علمبردار ہے اور اسلام ہی اس بگاڑ کا واحد علاج ہے اسلام سب سے پہلے اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان جو

خدا کو بھول گیا ہے وہ خدا کی طرف پلٹ آئے کیونکہ خدا ہی اس کائنات کا مالک ہے اور اس کی اس پر حکومت ہے اس کا انکار بہت بڑی حقیقت کا انکار ہے اور کسی بھی حقیقت کے انکار کے بعد انسان جو رویہ بھی اختیار کرے وہ غلط رؤیہ ہوگا اس لئے اس کی پہلی تعلیم ہی یہ ہے کہ انسان خدا کو مانے اور یہ اقرار کرے کہ دنیا پر اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے۔ میں اس کا بندہ ہوں اور مجھے اپنا تعلق اس سے جوڑنا چاہیے، ہر شعبہ میں اس کے احکامات کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ اسی لئے دنیا میں آئے اور اپنے دور اور ماحول کی اصلاح کا فرض انجام دیتے رہے اس کے ساتھ اسلام یہ بھی بتاتا ہے کہ اللہ کا بندہ بننے کے بعد انسان کو کیسی زندگی گزارنی چاہیے اس کا عقیدہ کیا ہو اللہ کا شکر کیسے ادا کرے اس کی عبادت کیسے کرے۔ کس طرح اخلاق کا پابند رہے اور لوگوں کے ساتھ کیسا رؤیہ اختیار کرے تیسری بات یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نگرانی کر رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ وہ کیسے اعمال کر رہے ہیں اور کس طرح کی زندگی بسر کر رہے ہیں موت کے بعد وہ اپنے بندوں کا حساب لے گا اور ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔ اسلام کی ایک بنیادی تعلیم یہ بھی ہے کہ زمین میں فساد نہ ہونے دو کیونکہ اللہ نے جو کائنات بنائی ہے اس میں کہیں بھی کوئی فساد اور بگاڑ نہیں۔ اسلام دنیا کی اصلاح کے لئے ضروری قرار دیتا ہے کہ انسانوں کے اندر مساوات ہو۔ عدل ہو، انصاف ہو اور اللہ کے نزدیک بہتر انسان وہ ہے جس کے اندر تقویٰ ہو جو خدا سے ڈرے وہی برتر اور افضل ہے۔

اسلام قیام عدل کا حکم دیتا ہے کیونکہ عدل و انصاف کے بغیر کوئی معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا بلکہ اس کا وجود بھی باقی نہیں رہتا۔ قرآن مجید بھی تاکید کرتا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو یہاں تک کہ دشمن کے ساتھ بھی انصاف کیا جائے لیکن آج انصاف ناپید ہوگیا ہے عدل ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا ہے قتل و غارت عام ہے کسی کو انصاف کے کٹہرے میں نہیں لایا

جاتا اور نہ ہی کسی کو انصاف کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سو انارکی پھیلی ہوئی ہے، دہشت گردی عام ہے، خوف خدا دلوں سے محو ہو گیا ہے مسلمان مسلمان کا دشمن بن گیا ہے جرائم میں اضافہ ہو گیا ہے اور ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔

اسلام اللہ کا دین ہے اور یہ دین صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے اور یہ بات پوری دنیا کے سامنے آنی چاہیے جب تک یہ بات پوری دنیا کے سامنے نہیں آئے گی اس وقت تک اسلام کی صحیح تصویر بھی دنیا کے سامنے نہیں آئے گی۔ جب اسلام کا ذکر ہوتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں یہ مسلمانوں کا مذہب ہے حالانکہ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا اور جو بھی اللہ کے سامنے سر جھکا دے اور اس کے احکامات کا پابند ہو جائے وہ مسلم ہے کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جسے انصاف اور مساوات کی بنیاد پر اسلام نے حل نہ کیا ہو۔ یہ دنیا اس وقت عجیب اضطراب کی حالت میں مبتلا ہے چاہے کوئی ترقی یافتہ ملک ہے یا ترقی پذیر یا پسماندہ ملک ہے سب پریشان ہیں اور دنیا امن وسکون سے محروم ہے ان سب کے دکھ درد، اضطراب اور پریشانی کا واحد حل اگر ہے تو اسلام ہے اسی کے ذریعے انصاف قائم ہو گا۔ زمین فساد سے پاک ہو گی انسانوں کی دنیا بھی سدھرے گی اور آخرت بھی اچھی ہو گی۔

فتح مبین

(ماجد محمود توحیدی)

ملت اسلامیہ کا ہر فرد جس کے دل میں ذرّہ سی بھی ایمانی حرارت موجود ہے، فلسطین کی موجودہ صورت حال پر مضطرب ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ دینی بھائی ہونے کی حیثیت سے ہمیں ان کے درد کو اسی طرح محسوس کرنا چاہیے کہ جیسے یہ تکلیف ہمیں خود کو ہو۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے:

ترجمہ: ''مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں جب جسم کے کسی ایک حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا بدن درد محسوس کرتا ہے''۔

صیہونی ریاست اسرائیل اپنے ناپاک اور مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے بیت المقدس اور اہل فلسطین کو روندتا جا رہا ہے۔ دنیا میں کوئی اسے نکیل ڈالنے والا نہیں ہے۔ بین الاقوامی قوانین اور قواعد وضوابط کو پامال کیا جا رہا ہے۔ ہمارے بھائیوں کو شہید کیا جا رہا ہے۔ ہمارے بچوں کو شہید کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ ہماری ماؤں بہنوں کی عزتوں کو پامال کیا جا رہا ہے۔ اور دنیا کے نام نہاد کرتا دھرتا ممالک کا ضمیر گہری نیند سو رہا ہے۔ غیروں سے تو خیر ہمیں کوئی بھلائی کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے کیونکہ اللہ ربّ العزت نے قرآن میں فرما دیا ہے کہ یہود و نصاریٰ تمہارے کبھی بھی دوست اور خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ اب ہم مسلمان ممالک اور خاص کر ان کے سربراہان (چند ایک کو چھوڑ کر) کے فلسطین کے بارے میں عملی کردار کا جائزہ لیں تو حضور ﷺ کا وہ فرمان یاد آ جاتا ہے جو موجودہ دور کے مسلمانوں پر حرف بہ حرف پورا ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا ایسا زمانہ آئے گا کہ کفار مسلمانوں پر ایسے ٹوٹ پڑیں گے جیسے ضیافت پر جا رہے ہوں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا مسلمان اس وقت تعداد میں کم ہوں گے!!

نبی مکرمﷺ نے فرمایا نہیں وہ تعداد میں زیادہ ہوں گے مگر ان میں ''وھـــن'' پیدا ہو جائے گا۔ صحابہ کے پوچھنے پر آپﷺ نے فرمایا کہ ''وہن'' کا مطلب ہے دنیا سے محبت اور موت کا خوف آج کا مسلمان بھی اسی مرض میں مبتلا ہے۔مسلمان جو کبھی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا، دریاؤں کی تغیانی ، پہاڑوں کی بلندی ،میدانوں کی وسعت اور بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی ان کے مقاصد میں حائل نہیں ہوا کرتی تھی ، نہ ہی وہ دشمن کی تعداد کی زیادتی سے مرعوب ہوتے تھے۔وہ اپنے ربّ پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کو عبرت ناک شکست دیتے تھے۔ مگر آج ہم مٹھی بھر یہودیوں سے لرزاں ہیں اور مسلم مما لک اس کشش و پیچ میں مبتلا ہیں کہ ہمیں اپنے فلسطینی بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے کہ نہیں!!

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا (النساء 75)

ترجمہ: ''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں،عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے''۔

یہ آیت کریمہ پوری طرح سے نہتے اور بے کس و مجبور فلسطینی مسلمانوں پر دلالت کرتی ہے پوری اُمت مسلمہ کو فوری لائحہ عمل طے کر کے اپنے فلسطینی بھائیوں کو یہودیوں کے ظلم و جبر سے آزادی دلانی چاہیے اور مضبوط اور دیر پا قیام امن کے لیے حکمت عملی اپنانی چاہیے تا کہ ہمارے فلسطینی بھائی سکھ کا سانس لے سکیں۔

میں اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالنا چاہوں گا۔زندہ و بیدار قوم میں ہمیشہ مختلف مراحل اور درپیش چیلنجز سے سرخرو ہونے کی کوشش کرتی ہیں اور کٹھن مراحل اور

مشکلات انہیں مضبوط اور قوی بنا دیتے ہیں ۔ان کے سربراہان اور لیڈر انہیں ایسے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں کہ وہ مستقبل میں آنے والے مزید کٹھن مراحل کو جواں مردی سے طے کر لیتے ہیں ۔

ہمیں بحیثیت ملت اس واقعہ سے عبرت حاصل کرتے ہوئے خود کو ہر لحاظ سے مضبوط کرنا اور پوری اُمہ کے لیے لائحہ عمل طے کرنا چاہیے ۔اللہ کرے تمام مسلم ممالک مربوط اور موثر حکمت عملی کو اپناتے ہوئے اسرائیل سے القدس کو آزاد کرا لیتے ہیں اور فلسطین کو آزادی حاصل ہو جاتی ہے تو کیا ہم واقعی یہود کی چیرہ دستیوں سے آزاد اور محفوظ ہو جائیں گے؟ ہرگز نہیں !ان کے پاس ایک نہیں ،کئی محاذ ہیں ۔کل نظام دنیا تو ان کے ہاتھ میں ہے، معیشت ساری ان کے ہاتھ میں ہے ۔جدید سائنسی علوم ان کے پاس ہیں ۔انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ان کی اجارہ داری ہے ۔اقتصادیات ان کے پاس ہے ۔میڈیا ان کی گرفت میں ہے ۔حتیٰ کہ کئی مسلم ممالک کے سربراہ ان کے ذہنی غلام ہیں ۔گویا دنیا کا کل نظام ہی یہود کی گرفت میں ہے ۔تو ہم کیسے ان سے بچ سکتے ہیں ۔وہ ہمیں کسی ایک محاذ پر بھی ناک آؤٹ کر سکتے ہیں ۔ہمیں تو انہوں نے آئی ایم ایف کے ذریعے سے ہی غلامی پر مجبور کر رکھا ہے ۔باقی باتیں تو بعد کی ہیں ۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

اس لیے ہمیں اور خاص طور پر مسلم ممالک کے سیاسی و مذہبی عمائدین کو اپنے اپنے ملک کو ان محاذوں پر بھی خودمختار کرنا ہوگا ۔تاکہ ہمیں غلامی سے حقیقی نجات مل سکے ۔ہمیں اپنے آپ کو سیاسی، معاشی، دفاعی اور جدید علوم میں خودمختار کرنا ہوگا ۔جب تک سارے کا سارا نظام ہمارے ہاتھ میں نہیں آجاتا اور ہم کسی بھی شعبے میں ان کے دست نگر نہ ہوں تو ہی ہم ان سے جنگ لڑ سکتے ہیں ہم تو اس طرح سے ان کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں کہ برقی پیغامات بھیجنے کے لیے ہمارا کوئی اپنا نظام نہیں ۔کل مسلم دنیا گوگل ، یاھو وغیرہ کا استعمال کرتی ہے ۔اس لیے وہ ہماری تمام سرگرمیوں اور کاروائیوں سے باخبر رہتے ہیں ۔اور کسی بھی وقت اپنے بنائے ہوئے نظام کو معطل

کر کے ہمیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے طاقت کا مرکز و محور وہی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں انتظام ہو۔ دنیا کا سارا انتظام تو ان کے ہاتھ میں اور ہماری حیثیت غلاموں سے زیادہ نہیں ہے۔ کیا طاقت کے بغیر دنیا میں کبھی امن قائم ہوا ہے؟۔ ہم کمزور بھی ہوں اور کہیں دنیا میں امن قائم ہو جائے۔ خود فریبی و خام خیالی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اب میں بصد احترام اپنی مذہبی جماعتوں اور خانقاہوں کے سجادہ نشینوں سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے آپ لوگوں سے ہی سنا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو نہ صرف عبادات و ریاضت کے طریقے اور آداب سکھاتا ہے بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جنگ کے آداب بھی سکھاتا ہے۔ آج کی مہذب دنیا بھی جنگ میں سب کچھ جائز سمجھتی ہے مگر اسلام وہ مذہب ہے جو جنگ کے آداب بھی سکھاتا ہے کہ کس کو مارنا ہے اور کس کو جنگ میں نہیں مارنا۔ لہذا ہم نے دین کو صرف مسجد اور تسبیح و تہلیل تک کس بناء پر محدود کر لیا ہے کیا اسلام اس معاملے میں رہنمائی نہیں کرتا کہ آپ کے بھائی پر ظلم ہو رہا ہو تو آپ کو کیا کرنا چاہیے۔ اپنی ماؤں بہنوں کی عزت کو پامال ہونے سے بچانے لیے کیا اسلام کوئی رہنمائی نہیں دیتا! کیا اسلام اس معاملے میں یہ تعلیم دیتا ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر دعا کر لیں یا صرف سڑکوں پر احتجاجی ریلیاں نکال لیں اور بس؟ کیا اسلام اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے عملی طور پر میدان میں اترنے کی تعلیم نہیں دیتا؟ بہت معذرت کے ساتھ اس معاملے میں پوری کی پوری اُمت مجرمانہ غفلت کا شکار ہے اور ہمیں اس بات پر اپنے ربّ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ مسلمان کی غیرت کیسے گوارہ کر سکتی ہے کہ اس کے بھائی پر ظلم ہو رہا ہو ان کی عزتوں کو پامال کیا جا رہا ہو اور وہ خاموش تماشائی بنے رہیں۔

اگر ہمارے سیاسی و مذہبی عمائدین بصیرت سے کام لیں اور قوم کو آنے والے وقت کے لیے تیار کریں۔ ہم مروجہ دینی علوم کے ماہر پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی علوم کے ماہرین بھی پیدا کریں۔ اور ہم خود کو معاشی طور پر بھی مضبوط کریں کہ ہمیں کسی کے سامنے ہاتھ

نہ پھیلانا پڑے۔ ہمارے ہاں صنعتوں کا وسیع جال ہو۔ آئی ٹی میں دنیا میں ہمارا ثانی کوئی نہ ہو گویا جب ہم دنیا کے ہر شعبہ میں باقی دنیا سے آگے ہوں گے تبھی حقیقی معنوں میں اغیار سے آزادی نصیب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللّهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال 60)

ترجمہ: ''اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے تیار رکھو تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے، تمہارے دشمنوں اور ان دوسرے دشمنوں کو خوفزدہ کرو جن کو تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے''۔

اس آیت مبارکہ میں گھوڑے اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ کیونکہ قرآن قیامت تک کیلئے ہدایت ہے اور قیامت تک تو گھوڑے جنگ میں استعمال نہیں ہوں گے۔ تو لامحالہ گھوڑوں سے مراد یہاں ہر قسم کی تیاری ہے۔ آج کل تو جنگ کے انداز بدل گئے ہیں۔ کبھی میڈیا وار شروع ہوتی ہے تو کبھی سرد جنگ، کبھی نفسیاتی جنگ لڑی جاتی ہے تو کبھی کسی انداز سے مادّی وسائل کے حصول کے لیے بھی جنگیں لڑی جارہی ہیں اور کہیں اپنی معیشت کو سب سے زیادہ مضبوط کرنے اور دوسری قوموں کو اپنے سے مفلس کرنے کے لیے جنگیں لڑی جارہی ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے خود کو مضبوط کرنا ہوگا۔ ہر شعبے میں ہم دوسری اقوام سے بہتر ہوں گے تو ہی ہم ان پر فتح حاصل کر سکتے ہیں۔ اور یہ کام چٹکی بجاتے ہی نہیں ہو جائے گا۔ اس کے لیے ملت کے ہر فرد کو اپنی بساط کے مطابق کردار ادا کرنا ہوگا۔

میدان حشر کے سوال

(مولانا محمد یوسف اصلاحی)

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ حشر کے میدان میں ہر شخص سے پانچ سوال کیے جائیں گے اور جب تک وہ ان پانچ سوالوں کے جواب نہ دے لے گا مجال نہیں کہ وہ اللہ کے حضور سے قدم ہٹا سکے۔

۱۔ اس نے اپنی زندگی کن کاموں میں لگائی۔ ۲۔اپنی جوانی کو کن کاموں میں کھپایا۔

۳۔ مال ودولت کن ذرائع سے حاصل کیا۔ ۴۔مال و دولت کن کاموں میں خرچ کیا۔

۵۔ اور جو علم حاصل کیا تھا اس پر کہاں تک عمل کیا۔

بہت جلد وہ دن آنے والا ہے جب ہم اور آپ حشر کے میدان میں کھڑے ہوں گے اور ان سوالوں کے جوابات دے رہے ہوں گے کس قدر خوش نصیب ہے وہ شخص جو اس زندگی میں ان سوالوں کے صحیح جوابات تیار کر رہا ہے اور ان سوالوں کو سامنے رکھتے ہوئے شعور کی زندگی گزار رہا ہے۔زندگی آپ کو بھی ملی ہے جوانی کی نعمت سے آپ بھی نوازے گئے ہیں مال و دولت کے آپ بھی مالک ہیں مال آپ بھی خرچ کر رہے ہیں آپ کو بھی بہت کچھ علم حاصل ہے آپ بھی کچھ نہ کچھ عمل کر رہے ہیں سوچئے آپ کیا جوابات تیار کر رہے ہیں اور کل اللہ کو خوش اور مطمئن کرنے کیلئے کیا کچھ کر رہے ہیں؟

اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔۔۔دنیا کی زندگی بہت مختصر اور فانی ہے آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے وہاں کا سکھ بھی ہمیشہ کا ہے اور وہاں کا دکھ بھی دائمی ہے دنیا کی اس قلیل زندگی میں آپ کے ربّ نے آپ کو مہلت اور موقع دے رکھا ہے کہ آپ اپنی کوششوں سے اپنے لیے آخرت کی جیسی زندگی چاہیں بنالیں۔ہمیشہ کا سکھ بھی آپ اپنے لیے فراہم کر سکتے ہیں اور ہمیشہ کا دکھ بھی آپ ہی کے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔آپ ہر لمحہ دنیا کی زندگی سے دور آخرت کے

انجام سے قریب ہورہے ہیں اور آپ کو شعور ہو یا نہ ہو آپ کی زندگی ان پانچ سوالوں کا جواب تیار کررہی ہے۔یہ جوابات خدا کے فضل سے آپ کو حسن انجام سے ہمکنار بھی کرسکتے ہیں اور یہی جوابات آپ کو خدا کے غضب میں گرفتار بھی کرسکتے ہیں۔

مسئلہ آپ کی اپنی زندگی کا ہے نہ محض عقلی طور پر حل کرلینے کا یہ مسئلہ ہے نہ اس کا تعلق کسی اور سے ہے آپ سے اور صرف آپ سے اس کا تعلق ہے اور صرف آپ ہی نے اس کو حل کرنا ہے کوئی دوسرا اگر اس کے حل کرنے میں اپنا سب کچھ کھپا دے تب بھی آپ کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا اور اگر آپ اپنے مسئلہ کو صحیح صحیح حل کرنا چاہیں تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔آپ کا ذاتی اور شخصی مسئلہ ہے آپ ہی اس کے ذمہ دار ہیں اور آپ ہی کو اپنے کیے کا اچھا یا برا انجام دیکھنا ہے آپ اس پر سوچنے کی زحمت اُٹھائیں یا نہ اٹھائیں آپ کی زندگی بہر حال ان سوالات کے جوابات تیار کررہی ہے۔

پھر معاملہ اس خدا سے ہے جس کے علم سے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں آسمان کی فضائیں ہوں یا زمین کی تہیں پہاڑوں کی چٹانوں کے سینے ہوں یا سمندر کی اتھاہ گہرائیاں جہاں کہیں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے علم میں ہے۔آپ نے ذرّہ بھر نیکی کی ہوگی تو یقیناً اس کا صلہ آپ کے سامنے آئے گا اور ذرّہ بھر برائی کی ہوگی تو لازماً اس کا بدلہ آپ کو بھگتنا پڑے گا نہ آپ اس کی گرفت سے بچ سکتے ہیں نہ اسے دھوکا دے سکتے ہیں۔نہ دنیا میں واپسی کا امکان ہے نہ مزید مہلت مل سکتی ہے نہ خدا کے فیصلے کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔حشر کا فیصلہ اٹل ہے سنجیدگی سے سوچئے کہ آپ کیا فیصلہ چاہتے ہیں کل دارالحساب میں ہوں گے اور عمل کی مہلت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوچکی ہوگی۔

آپ کو کبھی اس سوال نے لرزایا کہ آپ نے مال کہاں خرچ کیا بظاہر یہ کتنا معمولی سا سوال ہے مگر یہ ہرگز معمولی سوال نہیں اس سوال پر آپ کی آخرت بننے اور بگڑنے کا مدار ہے،اس وقت ہم صرف اسی ایک سوال پر غور کرنا چاہتے ہیں اچھے اچھے دیندار اور باشعور افراد بھی اکثر اس سوال کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتے اور انہیں یہ حقیقت لرزہ براندام نہیں کرتی کہ ہم جس طرح اور

جن کاموں میں اپنا مال خرچ کررہے ہیں اس بارے میں کل خدا کو جواب دینا ہے۔

آپ پابندی سے زکوٰۃ دیتے ہیں صدقہ وخیرات میں بھی خرچ کرتے ہیں اور کبھی تنگ دلی اور بخل کا مظاہرہ نہیں کرتے لیکن یہ بھی اطمینان کرلیجئے کہ آپ جہاں جہاں جس طرح خرچ کررہے ہیں ٹھیک ٹھیک خدا کی مرضی کے مطابق کررہے ہیں یا نہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ دین کی ضرورت اور خدا کی مرضی کچھ اور ہو اور آپ کا طرزِ عمل کچھ اور ہو۔

آپ نے حج ادا کرلیا اور خدا نے آپ کو اتنا دیا ہے کہ بار بار آپ نفلی حج کریں اس میں کیا شک ہے کہ بیت اللہ کی حاضری مومن کے لیے بہت بڑی سعادت ہے آپ بار بار اس سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں آپ کے پڑوس میں ایک بیوہ ہے جو نان شبینہ کو محتاج ہے۔ محلّہ ہی میں ایک مریض ہے جس کے کئی بچے ہیں خستہ حال فاقوں کے مارے تعلیم و مذہب سے محروم آپ کی بستی میں کتنے ہی نوجوان ہیں جو آوارہ گھوم رہے ہیں نہ ان کے روزگار کا کوئی بندوبست ہے نہ ان کی تعلیم و تربیت کا ان کی آوارگی اور بے راہ روی نہ صرف معاشرے کے لیے وبالِ جان ہے بلکہ ان کا وجود اسلام کے لیے بھی بدنامی کا باعث ہے۔ مریض نے آپ کو متوجہ بھی کیا بیوہ نے بھی اپنی خستہ حالی آپ کو بتائی نوجوانوں کے بے راہ روی سے بھی آپ کو روشناس کرایا گیا لیکن آپ نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ آپ کو تو یہ دھن ہے کہ بیت اللہ کی زیارت کر آئیں۔

برسات کی رات تھی کرایہ دار کو آپ نے اپنے گھر سے نکال دیا اس کی بیوی نے آپ سے گڑگڑا کر التجاء کی کہ دو ماہ کی مہلت دے دیجئے ہم آپ کا مکان خالی کردیں گے لیکن آپ نے زبردستی دھکے دے کر اسے نکال دیا۔ اس کے سات معصوم بچے بھی سہم سہم کر آپ سے درخواست کرتے رہے مگر آپ نے ایک نہ سنی ان مظلوموں نے پیڑ کے نیچے بارش میں رات گزاری اور دوسرے دن آپ نے وہ مکان مدرسہ کے لیے وقف کردیا۔ آپ کی دھن تھی کہ جلد از جلد زندگی ہی میں یہ کام کر جاؤں۔

آپ کی بستی میں سیلاب آیا لوگوں کے گھر اجڑ گئے لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے

پریشان حالی سے لوگ پریشان ہو گئے آپ ان کی مدد کر سکتے تھے فاقوں کا شکار بھوکے بچوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام کر سکتے تھے۔ سیلاب کے مارے سسکتے مریضوں کی دوا دارو کا انتظام کر سکتے تھے آپ کو متوجہ بھی کیا گیا لیکن آپ نے یہ جواب دے کر لوگوں کو مطمئن کرنا چاہا کہ آپ کے سامنے بہت بڑا کام ہے آپ کئی لاکھ دینی کتابیں چھاپنا چاہتے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ کا کام ہو سکے۔

آپ کے ادارے میں کتنے ہی ملازم مالی پریشانی سے تنگ آ کر خودکشی کرنا چاہتے ہیں کتنوں کی ضرورتیں پوری نہیں ہوئیں تو مجرمانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے ہیں انہوں نے آپ کو اپنی خستہ حالی اور پریشانی کا حال سنانا چاہا تو آپ نے جھڑک دیا لیکن اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں کہ آپ پبلک کے لیے مسافر خانہ کھول رہے ہیں کہ مسافروں کو تکلیف نہ ہو۔

آپ کی زندگی کی یہ چند جھلکیاں ہیں خدارا غور کیجئے کہ کل جب خدا آپ سے پوچھے گا کہ تو نے مال کہاں خرچ کیا تو آپ اپنا یہ طرزِ عمل بتا کر واقعی خدا کو خوش کر سکیں گے کہ آپ نے اپنا مال واقعی صحیح مصارف میں خرچ کیا۔ کیا آپ مطمئن ہیں کہ آپ نے دین کے تقاضوں کے مطابق خرچ کیا اور آپ کا یہ صدقہ و خیرات خدا کے ہاں قبول ہوگا؟

آپ کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ آپ راہ خدا میں خرچ کریں یہ بھی آپ ہی کی ذمہ داری ہے کہ صحیح مصارف میں خرچ کریں دین کا جہاں جہاں تقاضا ہو وہاں خرچ کریں۔ بے شک مال آپ کا ہے لیکن آپ اگر خدا کی راہ میں خرچ کر کے صلہ چاہتے ہیں، معلوم کیجئے کہ میں کہاں صرف کروں اور کس طرح صرف کروں اپنے ذوق کی تسکین اور اپنے نفس و قلب کے اطمینان کے لیے خرچ کر رہے ہیں تو اللہ سے صلے کی طلب نہ کیجئے خدا سے صلہ تو اسی شخص کو مل سکتا ہے جو خدا کی مرضی کے مطابق خرچ کرے دین کے بتائے ہوئے مصارف میں صرف کرے اور دین کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کرے۔ اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے لرزتے رہیں کہ آپ نے واقعی جہاں جہاں خرچ کیا ہے اور جس جس انداز میں خرچ کیا ہے اس سے دین کا منشا بھی پورا ہوا یا نہیں اور خدا کا جو حکم تھا وہ بھی پورا ہو سکا یا نہیں۔

توبہ

(حضرت شیخ عبدالقادر عیسیٰ الشاذلی)

توبہ سے مراد یہ ہے کہ سالک شرعی طور پر مذموم امور سے منہ موڑ کر محمود اُمور کو اپنا لے یہ سالکین کے راستہ کی ابتداء، مریدین کی سعادت کی کلید اور منازل سلوک کے سفر کی شرط اوّل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کثیر مقامات پر اس کا حکم دیا ہے۔ اور اسے دنیا اور آخرت کی فلاح کا سبب قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تا کہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ''۔ (سورہ النور:۳۱)

ترجمہ: ''مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل وجان سے) رجوع کرو اس کی طرف''۔ (ھود:۵۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو''۔ (تحریم:۸)

رسول اللہ ﷺ گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود کثرت سے توبہ واستغفار کرتے اس کا مقصد تعلیم اُمت ہوتا تھا ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''اے لوگوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں''۔ امام نووی ؒ فرماتے ہیں: ''ہر گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے''۔ پھر اگر معصیت ایسی ہو جس کا تعلق بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو۔ اور کسی آدمی کے حق کے متعلق نہ ہو تو اس سے توبہ کیلئے تین شرائط ہیں: (۱)۔ اس معصیت کو ترک کرے۔ (۲)۔ یہ پختہ ارادہ عزم کرے کہ وہ دوبارہ اس غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ (۳)۔ اس پر ندامت کا اظہار کرے۔

اگر تین شرطوں سے ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو اس کی توبہ صحیح نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ

معصیت کسی آدمی کے حق کے متعلق ہے تو اس کیلئے چار شرطیں ہیں۔تین یہی مذکورہ شرطیں اور چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ صاحب حق سے برأت حاصل کرے۔اگر تو وہ مال وغیرہ ہے جس کو اس نے غصب یا چوری کیا ہے تو اسے واپس کرے۔اور اگر اس نے کسی پر تہمت وغیرہ لگائی ہے تو اس سے بھی معافی طلب کرے۔اور اگر غیبت کی ہے تو اس سے بھی معافی کا خواستگار ہو۔الغرض! تمام گناہوں سے توبہ کرنا واجب ہے۔''

توبہ کی یہ بھی شرط ہے کہ وہ برے اور فاسق لوگوں کی صحبت کو ترک کرے جو اس کیلئے معصیت کو مزین کرتے ہیں اور عبادت سے نفرت دلاتے ہیں۔پھر نیک اور مخلص لوگوں کی صحبت اختیار کرے تا کہ انکی صحبت گناہوں کی زندگی کی طرف لوٹنے میں رکاوٹ بن جائے۔ ہمارے لیے وہ صحیح اور مشہور حدیث بڑی سبق آموز ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کا قصہ بیان کیا ہے جس نے سو افراد کو قتل کر دیا تھا تو اس زمانہ کے ایک عالم ربانی نے اسے آگاہ کیا کہ اللہ توبہ قبول کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تم اس برے ماحول کو ترک کر دو۔جس کی وجہ سے تم نے ان جرائم کا ارتکاب کیا ہے اور اسے ایک اچھے ماحول اور علاقہ کی طرف جانے کا حکم دیا' جس میں اللہ کے نیک بندے بستے تھے تا کہ وہ ان لوگوں سے محبت کرے اور ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکے۔

صوفیائے کرام کسی گناہ کے چھوٹا یا حقیر ہونے کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ وہ صحابہ کرامؓ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے ربّ کی عظمت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''تم ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی زیادہ باریک ہیں حالانکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ان کو مہلکات میں سے شمار کرتے تھے۔'' **(بخاری)**

صوفیائے کرام صرف معاصی سے توبہ پر اکتفا نہیں کرتے کیونکہ یہ عوام کی توبہ ہے' بلکہ وہ ہر اس چیز سے توبہ کرتے ہیں جو ان کو اپنے ربّ کی یاد سے غافل کر دے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ سے جب توبہ کے متعلق پوچھا گیا: تو آپؒ نے فرمایا:

ترجمہ: ''عوام الناس گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص غفلت سے''۔

حضرت عبداللہ تمیمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توبہ کرنے والوں کے بھی کئی درجے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ تو گناہوں اور سیئات سے توبہ کرتے ہیں اور بعض لوگ غفلت اور لغزشات سے۔ اور بعض لوگ تو صرف اس لئے توبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی عبادات اور نیکیوں کو زیادہ نہ سمجھنے لگیں''۔

سالک کو جب عرفانِ الٰہی حاصل ہوتا ہے تو اعمال کی کثرت سے اس کی توبہ میں رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کا دل گناہوں کی آلودگی سے پاک ہو جاتا ہے اور اس پر انوار و تجلیات کی بارش ہو جاتی ہے۔ تو اس پر دل کی پوشیدہ بیاریاں مخفی نہیں رہتیں۔ اس لئے جب بھی اس کا دل کسی لغزش کی طرف مائل ہوتا ہے تو فوراً اپنے پروردگار سے حیاء کرتے ہوئے توبہ کر لیتا ہے۔ توبہ کے بعد سالک دن رات کثرت سے استغفار میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس طرح اسے حقیقی عبودیت کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے مولیٰ کے حق میں اپنی تقصیر اور کوتاہی کو محسوس کرتا ہے اس طرح وہ اپنی عبودیت کا اعتراف اور اپنے مولیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے۔

پھر جب وہ اللہ کا یہ ارشاد سنتا ہے:

(I) ''پس میں نے کہا' معافی مانگ لو اپنے ربّ سے! بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ برسائے گا آسمان سے موسلا دھار بارش اور وہ مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنا دے گا تمہارے لئے باغات اور بنا دے گا تمہارے لئے نہریں''۔

(II) ''البتہ اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا۔ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت (اپنی خطاؤں کی) بخشش طلب کرتے تھے''۔

جب وہ یہ آیات پڑھتا ہے تو اپنی کوتاہیوں اور احکامِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کے افسوس اور حسرت میں اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے عیوب کی طرف متوجہ ہو کر ان کی اصلاح اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرتا ہے۔ پھر تزکیہ نفس میں مصروف ہو جاتا ہے

اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے نیکیوں کی کثرت کرتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''برائی کے بعد نیکی کر' یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی''۔ شیخ احمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی مدعی کے دعویٰ کا دارومدار اس کے نتیجہ پر ہوتا ہے۔ اگر اس کا کوئی نتیجہ ظاہر ہو جائے تو اس کا دعویٰ صحیح ہو جاتا ہے ورنہ وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ پس ایسی توبہ جس کے نتیجہ میں تقویٰ حاصل نہ ہو' وہ باطل ہے''۔ اور ایسا تقویٰ جس سے استقامت حاصل نہ ہو وہ بناوٹی ہے اسی طرح اگر استقامت سے ورع حاصل نہ ہو تو وہ نامکمل ہوتی ہے۔ اور اگر ورع سے زہد میسر نہ آئے تو وہ بھی قاصر ہے۔ اور وہ زہد جو توکل کا سبب نہ بنے تو وہ محض خشک زہد ہے۔ اور وہ توکل جس سے یکسوئی حاصل نہ ہو اس کی حقیقت نہیں۔

توبہ کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ انسان محرمات سے اجتناب کرے۔ اور کامل تقویٰ یہ ہے کہ وہ یہ تصور کرے کہ اللہ ہر وقت اس کے احوال سے مطلع ہے۔ اور استقامت کی نشانی یہ ہے کہ وہ بدعات سے بچ کر اپنے اوراد کی پابندی کرے۔ اور ورع کی علامت یہ ہے کہ جب اس پر کوئی چیز مشتبہ ہو جائے اگر تو وہ اسے ترک کر دے تو وہ صاحب ورع ہے ورنہ ورع سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

قناعت

(حکیم محمد سعیدؒ)

آج حالات ایسے عجیب وغریب ہیں کہ قناعت سے محبت کی بات کرنے پر پورا ماحول سوال بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس فکرو کلام پر آبادی کی غالب اکثریت ششدر رہ جاتی ہے۔ اس ردِّعمل میں مکمل لاعلمی اور تاریک ترین یاس پنہاں ہے۔ حالانکہ قناعت کا تصور پوری انسانی تہذیب کی قدرِ مشترک ہے۔ عمرانی ہیئت کی کایا بہت کچھ پلٹ جانے کے باوجود فکر کی اعلیٰ ترین سطح پر اسے علمی خراجِ عقیدت پیش کرنے کی روایت آج تک برقرار ہے۔ ٹھیک یہی وہ مقام ہے کہ جہاں سے اس غور وفکر کی ابتداء ہوتی ہے کہ قناعت کے بارے میں اس بنجر صورت حال کا باعث کیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں کم از کم قناعت کے مفہوم کو امکانی حد تک متعین کر لینا چاہیے۔

کہا جا سکتا ہے کہ حرص وہوس کی بوالعجبی' اس کی افراط' اس کی حق تلفیوں' ناانصافیوں اور ایذاء رسانیوں سے دامن بچاتے ہوئے باسلیقہ اور ستھری زندگی بسر کرنے کا نام قناعت ہے۔ قناعت کا عمل مادّیت میں مگن ہو کر رہ جانے کے بجائے اپنے مادّی ماحول کی سحر سازی سے بلند تر ہو جانے اور رہنے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر آپ اسے کم وبیش یکساں مفہوم کے کسی دوسرے ایک ہی لفظ میں ڈھونڈنا چاہیں تو وہ لفظ ایثار ہے۔ پھر اس حسین ودلکش تصور کی عملی پذیرائی اتنی کم کیوں ہے؟ لوگ قناعت کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر دونوں ہاتھوں سے مال ودولت کو سمیٹنے اور اس کی تمام راحتوں کو صرف اپنے ہی دامن میں بھر لینے کے کیوں درپے ہیں؟

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قناعت کے تصور کو انسانی معاشرے نے بالعموم ایک خوش آئند خواب وخیال کی حیثیت دی ہے اور اکثر وبیشتر اس کا رشتہ زندگی کے گونا گوں عملی مظاہر کے ساتھ جوڑنے کی یا تو سرے سے کوئی کوشش ہی نہیں کی یا اسے ایک سعیِ نیم جاں کے حوالے

کر دینے پر اکتفا کیا ہے۔اسلام نے اقتصادیات کے سلسلے میں جو حکمت عملی پیش کی ہے اس میں میانہ روّی یا قناعت کو اوّلین عملی مظاہر کا مقام حاصل ہے۔اسلام کا دیا ہوا نظام زندگی افراط زرّ کی نفی کرتا ہے ۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دولت وثروت کا مخالف ہے' بلکہ دولت کو چند ہاتھوں میں جمع ہونے سے روکتا ہے ۔اسی لیے اس نے فضول خرچی اور حد سے گزرنے سے بھی روکا ہے ارشاد باری ہے:

ترجمہ: ''جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل' بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''اے بنی آدم ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو' اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اقتصادی میانہ روّی کی اس حکمت عملی کو محض ایک مبہم خیالی ترغیب بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا' بلکہ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں عقائد کی روح اور واضح احکام کے ساتھ سمو دیا گیا ۔کسب و صرف' دونوں میں حلال وحرام کی تمیز' جائز وضروری خرچ کی تاکید' اسراف وتبذیر پر سخت ترین تنبیہ انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب' اللہ تعالیٰ کی رزاقی کے کلی یقین اور آخرت میں جواب دہی کا خوف دلانے کے کیلئے قرآن حکیم اور سنت نبوی ﷺ میں اسلامی تصور قناعت کا نقشہ اتنی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ کھینچا گیا ہے کہ اس کے بعد کسی کو یہ کہنے کا کوئی موقع نہیں ملتا کہ اسے اسلام کے تصور قناعت کا علم نہیں۔

میں جب غور کرتا ہوں تو مجھے حیرت وتسکین کے ملے جلے جذبات کے ساتھ یہ نظر آتا ہے کہ توحید و رسالت کے بعد قرآن وسنت میں جس پہلو پر سب سے زیادہ اور مفصل ترین ہدایات ملتی ہیں وہ معاشی پہلو ہے اور اس پہلو میں قناعت کو نمایاں ترین مقام حاصل ہے۔آپ کو معلوم ہوگا کہ سنگ دل مادّیت فاضل پیداوار کو بھوک وافلاس کا شکار ہونے والے ابنائے جنس پر

کم قیمت پر خرچ کرنے کو زیاں سمجھتے ہوئے اسے اپنے ہاتھوں سے تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

فاضل دولت اور فاضل پیداوار کے بارے میں اسلام کا موقف مختلف ہے۔ ارشادِ ربانی یہ ہے:

ترجمہ: ''اور پوچھتے ہیں: ہم راہِ الٰہی میں کیا خرچ کریں؟ کہو! جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔''

ظاہر ہے کہ یہاں خرچ سے مراد ذاتی اغراض پر خرچ نہیں' بلکہ انفاق فی سبیل اللہ ہے یعنی قرآن و سنت کی بتائی ہوئی خدمت انسانی پر خرچ۔ اس پر رہنما اصول یہ متعین ہوا کہ زائد از ضرورت جو کچھ بھی ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جانا چاہیے۔ فرد ہو یا قوم' یہ اصول دونوں سے یکساں عمل کا طالب ہے۔ فاضل دولت کو نہ تو سمندروں میں غرق کر کے تلف کیا جائے اور نہ ذاتی اغراض کی آتش ہوس میں جھونک دیا جائے۔ یہی وہ قناعت بھی ہے جس کی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک میں اشارہ پایا جاتا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آدمی کامیاب ہے جو اسلام لایا اور اسے بقدر ضرورت رزق دیا گیا اور اللہ نے جو کچھ اس کو دیا اس پر اسے قناعت کی توفیق بخشی''(**مسلم**)۔

اس روشنی میں دیکھیے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ قیام پاکستان کے بعد ہم نے اسلامی تصور قناعت کی دھجیاں جس بری طرح بکھیری ہیں اور دیوانہ وار جس ذاتی تعیش کا سامان فراہم کرنے میں منہمک ہو گئے ہیں' کیا اس کا کوئی رشتہ اسلام کی مقدس تعلیم سے ہے؟ یقیناً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ طرز عمل راہ نجات کا ہے۔ اگر آپ کو یہ احساس ہے تو آیئے قناعت سے محبت کی عملی فکر کریں۔

ضبط نفس

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ)

قرآن مجید میں لفظ نفس تین جگہ الگ الگ معنوں میں استعمال ہوا ہے:

ا۔نفس امارہ برائی پر اُبھارنے والا اور اُکسانے والا نفس ۔قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔" ترجمہ : میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا ۔نفس تو برائی کا ہی حکم کرنے والا ہے۔سوائے اس کے کہ میرا پروردگار رحم فرمادے''۔

تو نفسِ امارہ وہ انسانی جذبات کا سمندر ہے جو مختلف خواہشات کے ذریعے انسان کو مختلف غلط کاموں کی طرف اُبھارتا ہے۔

۲۔نفسِ لوامہ: یعنی وہ نفس جو کہ غلط کاموں پر ملامت کرنے والا ہے۔قرآن مجید میں ہے:''یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں''یعنی یہ نفس جو کہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اپنی تنقید کرتا ہے اور نفس امارہ کو اکثر ٹوکتا رہتا ہے،اللہ تعالیٰ کو اس قدر پیارا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی قسم کھاتے ہیں۔

یہ نفس لوامہ ہی ہے جو کہ نفس امارہ کو قابو میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔اردو زبان میں اسے ضمیر بھی کہتے ہیں۔انگریزی زبان میں Conscience یا Higher Self کہتے ہیں

۳۔ نفس مطمئنہ: یعنی وہ نفس جسے اطمینان نصیب ہوگیا ہو قرآن مجید میں ہے:

ترجمہ: ''اے وہ نفس جو اطمینان پا چکا ہے اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ۔

اس طرح سے کہ تو اپنے آقا سے راضی ہے اور آقا تجھ سے راضی ہے ۔میرے بندوں میں داخل ہو جا،میری جنت میں آ جا۔"

نفس مطمئنہ نفس کا وہ درجہ ہے،جس میں کہ ضبط نفس حاصل ہو چکا ہے یعنی نفس لوامہ،نفس امارہ پر قابو پالیتا ہے۔جب انسان کا ضمیر اس قدر بیدار اور قوی ہوتا ہے کہ وہ

برائیوں پر اُبھارنے والے نفس کو اپنے قابو میں لے لیتا ہے تو نفس امارہ کا ہیجان ختم ہو جاتا ہے۔ وہ سرکش نہیں رہتا بلکہ اس کی سرکشی اطاعت میں بدل جاتی ہے اور جب نفس امارہ کی سرکشی اطاعت میں بدل جاتی ہے اور ہیجان ختم ہو جاتا ہے تو اسے اطمینان ہو جاتا ہے اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔تو دین کا اصل کام اس پہلے نفس کو قابو میں لانا ہے۔

یہاں ایک بہت اہم بات ذہن میں رکھنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے اندر نفس کو زائل کرنا یا مستقل اس کی خواہشوں کو ختم کر دینا جائز نہیں ہے بلکہ نفس امارہ کی قوت کو اس انداز میں قابو میں لانا ہے کہ وہ منفی کام کی بجائے مثبت کام میں لگ جائے۔اسے تصوف کی اصطلاح میں یوں کہتے ہیں کہ نفس کا ازالہ نہیں بلکہ امالہ کرنا مقصود ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ غصہ اگر غلط مقصد کیلئے ہے تو حرام ہے،لیکن یہی غصہ اگر اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں کیا جائے تو دینی غیرت اور حمیت کہلاتا ہے پہلا غصہ ناجائز' دوسری قسم کا غصہ نہ صرف جائز بلکہ انتہائی ضروری۔ اس غصے کی کیفیت کو بدل کے دوسری کیفیت میں لے جانا امالہ کہلائے گا یعنی وہی غصے کا جذبہ جو پہلے منفی مقصد کیلئے استعمال ہوتا تھا اب مثبت مقصد کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ جانوروں کو سدھایا جاتا ہے۔نفس امارہ کے جذبات حیوانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کو سدھانے کا عمل،ضبط نفس ہے اسلام کی عبادات میں یہ عمل بڑے اہتمام سے کیا جاتا ہے۔مثلاً روزے کا عمل،اس میں نفس کو بھوکا پیاسا رکھ کے،کئی پابندیاں لگا کے،سدھایا جاتا ہے۔ایسے ہی نماز،حج،زکوٰۃ میں مختلف طریقوں سے ضبط نفس کی تعلیم دی جاتی ہے۔خود کلمہ کے اندر اس بات کی مشق کرائی جاتی ہے کہ دل اور دماغ کے اندر اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع جڑ پکڑ جائے تو نفس جیسا کہ میں نے پہلے عرض کی ہے ایک اور توانائی کا سیلاب ہے۔اس سیلاب کے اوپر بند باندھیں گے تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ پانی کے سیلاب کے اوپر جو بند باندھے جاتے ہیں اس سے کئی کام لئے جاتے ہیں بجلی پیدا کی جا رہی ہے۔کہیں کھیتوں میں پانی پہنچایا جا رہا ہے،کہیں گھروں میں پانی پہنچایا جا رہا ہے لیکن اگر خدانخواستہ یہ بند ٹوٹ جائے تو ہر

طرف تباہی و بربادی ہوگی، بالکل اسی طرح سے انسانی نفس توانائی کا سیلاب ہے۔اگر اس پر بند باندھا جائے تو اس سے عجیب عجیب تخلیقی کرشمے صادر ہوتے ہیں ۔ یہ شاعری، یہ مصوری، یہ تصوف یہ سب اسی کے کرشمے ہیں۔اگر اس کو قابو میں لے آیا جائے تو یہ اتنی بڑی طاقت ہے کہ انسانی شخصیت کو عظیم ترین مقام پر پہنچا دیتی ہے۔

انسان کی شخصیت کا یہ اصل ایندھن ہے اور اصل جوہر اور توانائی ہے۔اس کو سدھانا اور اسے اللہ اور رسول کی اطاعت میں لے آنا دین کا اصل منشا ہے۔اس کو کمزور کرنا بھی مقصود نہیں بلکہ اس کو مضبوط بنانا اور اس کی سواری کرنا اصل منشاء شریعت ہے۔

حدیث شریف میں نفس امارہ کے دو اہم مراکز بیان کیے گئے ہیں کہ نفس امارہ کے مطالبات انسانی جسم کے ان دو مراکز سے بہت نمایاں طور پر صادر ہوتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کہ جو شخص مجھے اپنے جسم کی دو چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دے دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں ۔ایک وہ جو دو جبڑوں کے درمیان ہے ۔دوسری چیز جو دو رانوں کے درمیان ہے۔معلوم ہوا کہ انسان کے جسم کا سب سے زیادہ خطرناک حصہ اس کی زبان ہے،اس کے نفس امارہ کے خطرناک ترین فتنے زبان سے صادر ہوتے ہیں۔

اس لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ترجمہ ''جس نے زبان کو روک لیا وہ بخت پا گیا۔''

انسانی شخصیت کے وہ پہلو جو نفس امارہ کے اعمال کا مظہر بنتے ہیں ان کو قابو میں لانا ضبط نفس کہلاتا ہے۔قرآن مجید میں ہے:

ترجمہ: ''دیکھو وہ شخص جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کی خواہش کو روکا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔''

یہاں اس آیت سے ایک بڑی اہم بات واضح ہوتی ہے کہ ضبط نفس حاصل کرنے کے لیے اس بات کو ذہن میں بار بار لانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کے کھڑا ہونا پڑے گا وہاں حاضری ہوگی ۔سورہ رحمٰن میں ہے:

ترجمہ: ''جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا۔ اس کے لیے ایک نہیں دو جنتیں ہیں۔''

ضبطِ نفس حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آخرت کا تصور اور آخرت میں خدا کے سامنے حاضری کا تصور ذہن میں لایا جائے تو نفسِ امارہ قابو میں آجاتا ہے۔ نفسِ لوامہ کو قوت نصیب ہو جاتی ہے اور آخر کار یہ نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے جو اللہ سے ملاقات کا مستحق ہوتا ہے۔

ضبط و تحمل:

ارشادِ ربانی ہے: ''زمانے کی قسم! انسان یقیناً بہت ہی گھاٹے میں ہے۔ ہاں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، نیک اعمال میں لگ گئے۔ ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔''

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا نتیجہ عمل صالح ہے۔ عمل صالح کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ فوری طور پر انفرادی زندگی سے اجتماعی زندگی میں نفوذ کرتا ہے۔ اسے حق کی تلقین کہا جاتا ہے اس حق کی تلقین کا فوری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حق کی مخالفت میں مصائب و آلام کی بھٹی میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے تو کیا کرایا غارت ہو جاتا ہے۔

اس لیے کامیابی کی آخری شرط یہ قرار دی گئی کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو صبر و استقامت اور ضبط و تحمل کی تلقین کرتے ہیں۔

صرف حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ میں یہ بات واضح طور پر جھلکتی ہے کہ جونہی انہوں نے حق کی دعوت دی۔ لوگوں کو شرک، ظلم، خود غرضی اور نفرت کے راستے سے ہٹا کر توحید، انصاف، ایثار اور محبت کے راستے پر ڈالنا چاہا تو ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اور خصوصاً ابتدائی حصہ ضبط و تحمل کی مشق کرتے کرتے گزر گیا۔ یہی حال ان کے صحابہ کرام کا ہوتا رہا۔ اپنے نبی کے ساتھ ساتھ انہیں بھی

قسم قسم کی تکالیف انتہائی ضبط وتحمل کے ساتھ سہنی پڑیں۔حضورا کرمﷺ کی مکی زندگی کا تیرہ سالہ دورصحابہ کرام کوضبط وتحمل کی مشق کرانے کا دور ہے۔دنیا والوں کی ایذاء رسانیاں، گالی گلوچ، آوازے، پراپیگنڈے، سنگبازیاں، سوشل بائیکاٹ حتیٰ کہ قتل و غارت سب کچھ اللہ کی محبت میں برداشت کرتے رہے۔

بجرمِ عشق تو مستم کشند وغوغائے است

تو نیز برسرِ بام آ کہ خوش تماشائے است

تاریخ تو یہی بتلارہی ہے کہ ضبط وتحمل کی مشق میں جب تیرہ سالہ نصاب مکمل کرلیا جاتا ہے تو بغیر طویل وعریض ظاہری اسباب کے عرب وعجم کومظلوم وگریہ کناں انسانوں کی جھولی میں ڈال دیا جاتا ہے۔کیوں نہ ہوتا! اس کا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وعدہ کیا ہے دیکھئے ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اے مسلمانوں! اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوصبر وتحمل کا دامن تھام کراور نماز کے ذریعے۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والے کے ساتھ ہے۔''

معلوم ہوا کہ صبر وتحمل پر اللہ کی معیت کا وعدہ ہے۔اب اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ ہو جائیں اسے اورکس کی مدد چاہیے؟ کامیابی اورکس بات کا نام ہے؟غور فرمایئے کہ ہمارے محلے کا کوئی بڑا آدمی ہمیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ کہہ دے کہ میاں! میں تمہارے ساتھ ہوں گھبراؤ نہیں۔تو اس وقت ہماری کیا حالت ہوتی ہے پھولے نہیں سماتے۔اپنے آپ کو بڑا کامیاب آدمی سمجھنے لگتے ہیں۔یہاں پر تو یہی وعدہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ضبط وتحمل سے کام لو گے تو پھر میں تمہارے ساتھ ہوں۔

اس سلسلہ میں حدیث شریف میں ایک اہم واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکرصدیقؓ کے ساتھ حضور اکرمﷺ کی موجودگی میں زبان درازی کی۔پہلی اوردوسری مرتبہ کی زبان درازی پر تو حضرت صدیق اکبرؓ خاموش رہے۔تیسری مرتبہ آپ نے اس کواس کی گستاخی کا

جواب دیا۔حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس جواب دینے پر حضور اکرمﷺ نے ناپسندگی کا اظہار فرمایا: حضرت صدیق اکبرؓ نے حضورﷺ سے اس کا سبب پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ شخص میرے خلاف زبان درازی کرتا رہا میں خاموش رہا آپ مسکراتے رہے میں نے جواب دیا تو آپ نے ناپسند فرمایا۔حضور پاکﷺ نے ارشاد فرمایا۔کہ اے صدیق! اس شخص کی زبان درازی پر جب تم خاموش رہے تو تمہاری طرف سے جواب اللہ کے فرشتے دیتے رہے۔اور تمہیں اللہ کا ساتھ حاصل رہا۔یہ صورت حال دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی تھی۔جونہی تم نے اس شخص کو جواب دیا تو گویا تم نے اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔فوراً اللہ کے فرشتے تمہارے ہاں سے چلے گئے اور تم اس معاملہ میں اللہ کی معیت سے محروم ہو گئے' یہ بات مجھے پسند نہ آئی۔ خود حضور اکرمﷺ کا اسوۂ حسنہ ضبط و تحمل کے اعتبار سے روشنی کا عظیم ترین مینار ہے۔آپ صبر و استقامت، ضبط و تحمل اور عفوودرگزر کا سراپا تھے۔طائف اور اُحد میں زخمی ہوئے تو خون میں نہلانے والوں کے لیے انتہائی محبت بھری دعا فرمائی کہ اے اللہ انہیں ہدایت عطا فرما یہ مجھے پہچانتے نہیں ہیں۔سگی بیٹی کا قاتل منہ لٹکائے ہوئے شکست کھانے کے بعد سامنے آیا اسے معاف کر دیا۔امیر حمزہ کو قتل کرانے والی ہندہ فتح مکہ کے موقع پر سامنے آتی ہے شکست خوردہ ہے، زیرِ حراست ہے مگر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہیں آتی، وہ بھی معاف کر دی جاتی ہے۔ابو جہل کی جسمانی یادگار عکرمہ، شکست کھانے کے بعد سامنے آتا ہے تو آپ اس گرمجوشی سے آگے بڑھ کر استقبال کرتے ہیں اور سینے سے لگاتے ہیں کہ آپ کے کندھوں کی چادر تک اتر جاتی ہے۔ جنگ اُحد میں ستر صحابیوں کے قتل کا ذمہ دار خالد بن ولید اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوتا ہے تو نہ صرف گزشتہ جرائم کی معافی ہو جاتی ہے بلکہ اسے اللہ کی تلوار بنا دیا جاتا ہے۔حضور اکرمﷺ کو سوتا ہوا دیکھ کر ایک شخص تلوار نکال لیتا ہے اور قتل کرنا چاہتا ہے، جلال محمدﷺ سے کانپ اٹھتا ہے، اس کی تلوار ہاتھ سے گر جاتی ہے۔وہ تلوار اب اللہ کے نبی کے ہاتھ میں ہے چاہیں تو قتل کر دیں۔ لیکن عفوودرگزر اور ضبط و تحمل ملاحظہ ہو کہ اسے بھی معاف کر دیتے ہیں۔آپ کا ارشاد ہے کہ

''اصل طاقتور وہ شخص نہیں جو دوسرے شخص کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ شخص ہے جو اپنے غصے پر قابو پا لے۔'' یعنی بہادری اس بات کا نام نہیں کہ انسان غصہ کے حیوانی جذبہ سے مغلوب ہو جائے اور دوسرے شخص کو پنچہ ماردے بلکہ بہادری یہ ہے کہ انسان اپنے اندر چھپے ہوئے خناس کو پچھاڑ دے۔ اپنے نفس کو قابو میں لے آئے اور ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرے۔

حضرت امام حسینؓ کے نہلانے کا انتظام کرتے ہوئے ایک غلام نے کھولتا ہوا پانی آپ پر گرا دیا۔ حضرت امام حسینؓ نے غصہ سے غلام کو دیکھا تو اس نے آیت قرآنی تلاوت کر دی:
ترجمہ: ''یعنی اللہ والے غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں۔ اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

حضرت امام حسینؓ نے دو بہ بدیہہ آیت قرآنی کے الفاظ کا جواب دیا کہ ''میں نے غصہ کو پی لیا! میں نے تجھے معاف کر دیا۔ لو میں نے تجھ پر احسان بھی کر دیا۔ تمہیں آزاد کرتا ہوں۔''

آدم کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا بھی یہی قصہ ہے۔ قابیل نے حسد کی بنا پر ہابیل کو قتل کرنا چاہا، ہابیل نے انتہائی ضبط و تحمل کے ساتھ قتل ہونا گوارا کر لیا۔ لیکن اپنے بھائی پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ عظیم اسلامی سلطنت کے امیر المومنین سیدنا عمر فاروق کو ابو لولو نے قتل کی دھمکی دی۔ لوگوں نے تادیبی کاروائی کا مشورہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے قتل ہونا پسند فرمایا، لیکن اپنی ذات کے لیے کوئی کاروائی نہ کی۔ حضرت عثمان غنیؓ تقریباً چالیس روز تک گھیرے اور نا کہ بندی میں رہے۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قتل ہونا اختیار فرمایا، لیکن کسی دوسرے شخص پر نہ صرف خود ہاتھ اٹھایا بلکہ اسلامی افواج کو بھی حتیٰ کہ اپنے حفاظتی دستے کو بھی لڑنے سے منع فرما دیا۔ یہی حال دیگر آئمہ کرام کا بھی ہے۔ انہی کی شان میں قرآن مجید کی آیت ہے:
ترجمہ: ''جب انھیں غصہ آجاتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔''

خدا کی نعمتیں

(امام غزالیؒ)

انسان پر جس قدر نعمتیں اُتاری گئی ہیں اب سب کا ذکر اور احاطہ تو مشکل ہے، لیکن نعمتوں میں جو سب سے اہم اور بنیادی نعمت ہے اس کا ذکر مع اس کی دوسری جُزئیات کے ہم کرتے ہیں ان میں سے ایک انسان کی صحت اور تندرستی ہے۔ صحت اور تندرستی کے اسباب میں سے قوی سبب انسان کا کھانا پینا ہے جو ضروری ہے۔ دیکھئے! کھانا ایک فعل، ایک حرکت ہے اور حرکت کے لیے جسم ضروری ہے، ورنہ حرکت کہاں ہوگی، حرکت کے لیے انسان ارادہ کرتا ہے تو دیکھئے ارادہ ضروری ہوا پھر ارادہ کرنے کے بعد اگر انسان میں قوت ہے تب تو ارادے کے مطابق عمل ہوگا۔ لہٰذا قوت ضروری ہوئی، پھر کھانے کے لیے غذا ضروری ہے اور کوئی ایسی چیز ضروری ہے جس سے غذا حاصل ہوسکے۔ ان تمام نعمتوں میں پہلے ان اسباب کا ذکر ہوگا جو چیزوں کے ادراک و معرفت کا ذریعہ بنتے ہیں اور اسی کے ضمن میں ترتیب وار ہم انسان اور دوسری مخلوقات کے درمیان فرق واضح کردیں گے۔

دیکھئے! نباتات بڑھتے پھلتے پھولتے ہیں اور پتھر لوہا مٹی نہ بڑھتی ہے نہ پھولتی پھلتی ہے اور نہ محسوس کرتی ہے۔ اس لیے نباتات ان جمادات سے بڑھ گئے اور آگے دیکھئے نباتات اپنی غذاء خود حاصل کرتے ہیں مگر غذا اس کی جڑ کے پاس سے جڑ سے متصل نہ ہو تو نباتات خود آگے بڑھ کر نہیں لے سکتے کیونکہ بڑھ کر کسی چیز کو لینے کے لیے ضروری ہے کہ لینے والا پہلے سے اُس چیز کو جانتا ہو اور بڑھ سکتا ہو اس معاملے میں انسان اور دوسری مخلوقات، نباتات سے آگے بڑھ گئے ہیں پھر آگے بڑھ کے لینے میں بھی مختلف درجے ہیں جہاں انسان اور دوسرے جانوروں میں تمیز ہوتی جاتی ہے یہاں حواس خمسہ سے بحث ہوگی ان میں سے پہلا حاسّہ لمس یعنی چھونے کی قوت ہے اس قوت سے انسان ہر چیز کو چھو کر معلوم کرلیتا ہے یا اس کے جسم سے کوئی چیز مس ہو تو اسے

معلوم ہو جاتی ہے اب اگر وہ چیز مفید ہے تو یہ اس کی طرف رغبت کرے گا اور اگر مضر و تکلیف دہ ہے تو اُس سے بچے گا۔ حیوان تمام کے تمام یہی کام قوت سے لیتے ہیں اس لیے خالی اس قوت کے ہوتے ہوئے انسان اور دوسرے حیوان تو برابر ہیں ہاں نباتات یہ کام اس قوت سے نہیں لے سکتے اس لیے نباتات پیچھے رہ گئے چھونے کی قوت کی موجودگی میں وہی چیز حاصل ہو سکتی ہے جو قریب آکر چھو جائے مگر ابھی ضرورت ایسی حس اور قوت کی ہے کہ دور کی چیز معلوم ہے، اس کے لیے قوت شامہ دی گئی، سونگھنے کی قوت، اب دور سے بھی سونگھ کر معرفت حاصل ہو سکنے کے امکان ہو گئے، مگر بو یا مہک تو آنے لگی لیکن یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کس طرف سے بو آرہی ہے اس کے لیے قوت باصرہ، بینائی پیدا ہوئی کہ دیکھ کر جہت اور سمت کا اندازہ ہو سکے، مگر آنکھ سے سامنے ہی کی چیز تو نظر آسکتی تھی دیوار یا پردے کے پیچھے کی چیز کا پتہ چلنا تو مشکل تھا اس لئے قوت سامعہ، سننے کی قوت عطا ہوئی اور نہ صرف سننے کی قوت بلکہ ساتھ ساتھ جو سنا جائے اسے سمجھنے کی صلاحیت دی گئی لیکن ان تمام قوتوں کے بعد بھی نقصان رہ جاتا اگر قوت ذائقہ میسر نہ ہوتی کیونکہ غذا ملنے کے بعد آدمی کو کیا معلوم ہوتا کہ یہ چیز موافق ہے یا ناموافق، جیسے درخت کا حال ہوتا ہے کہ جو بھی سیال شے اس کی جڑ میں پہنچتی ہے وہ اُسے چوسنے لگتا ہے، قطع نظر اس کے کہ یہ اس کے لیے مفید ہے یا مضر اور بالآخر بعض اوقات نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسی زہر کے چوسنے سے مُرجھا جاتا ہے۔ اچھا ایک بار قوت ذائقہ کے ذریعے انسان نے چکھ کر پتہ لگایا کہ یہ چیز کڑوی ہے یا اُس کے لیے مضر ہے۔ دوبارہ کچھ دن بعد پھر وہی چیز ملی۔ اب ظاہر ہے پھر اسے چکھنا اور پتہ لگانا پڑے گا۔ یا پھر ایسی قوت ہو کہ ایک بار علم و تجربہ محفوظ رہے اور ہر بار اُس کے کام آسکے' اُسے ہر بار زحمت نہ کرنی پڑے۔ تو اسی کام کے لیے انسان کو ایک قوت ''حس مشترک'' نام کی عطا ہوئی ''یہ حس مشترک'' ہی ہے جو مذکورہ بالا تمام حواس کے احساسات اور محسوسات کو محفوظ و جمع کر دیتی ہے اور وقت پڑنے پر باہر نکال کر کام لیتی ہے اور اوپر کی گئیں تمام قوتیں مع حس مشترک والی قوت کے' انسان کے علاوہ حیوان میں بھی پائی جاتی ہے اس لیے کوئی چیز اور ہونی چاہیے جس سے تمام انسان

حیوانوں سے ممتاز ہوسکیں۔اس لیے انسان کو خدا نے ایک اور صفت سے ممتاز فرمایا اور وہ ہے عقل کی دولت۔اسی سے انسان غذاؤں کا نفع وضرر پہچانتا ہے' نتیجے کے اعتبار سے جو چیز مضر ہو اس کو معلوم کرلیتا ہے' غذا کا پکانا' اُس کو فراہم کرنا' ایک چیز کو دوسری میں ملا کر نئی غذا تیار کرنا یہ سب عقل سے ہوتے ہیں۔اور یہ عقل کا بہت معمولی سا کام ہے ورنہ تو عقل' کائنات میں' قدرت کے راز پالیتی ہے اور بڑے بڑے کام کرتی ہے۔یہ تھوڑا سا بیان ادراک اور اسباب کی حکمتوں کا ہوگیا باقی اور بہت سی تفصیل ہم نے چھوڑ دی ہے۔

دوسری نعمت ارادے کا ہونا۔انسان غذاء کو دور سے دیکھ رہا ہے مگر اس کے دل میں شوق اور رغبت نہیں ہے تو یہ دیکھنا بیکار ہے' اس کے لیے خدا نے انسان کے اندر غذاء کی خواہش پیدا کردی ہے تاکہ وہ غذاء حاصل کرے اور کھا کر زندہ رہے۔اس صفت میں جانور تو انسان کے شریک ہیں مگر نباتات شریک نہیں ہیں۔ایک اور چیز انسان کو دی گئی' خلاف طبیعت چیزوں سے نفرت و کراہت' یہ اُس وقت کام آتی ہے جب انسان کا پیٹ غذا یا پانی سے بھر جاتا ہے۔تب یہ نفرت و کراہت اس کو مزید کھانے اور پانی لینے سے روک دیتی ہے' ورنہ درخت کا حال ہوتا ہے کہ پانی دیتے جاؤ، وہ لیتا چلا جائے گا۔اپنی ضرورت کے بعد بھی لیتا رہے گا' اس کے اندر کراہت کی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ ضرورت کے بعد لینا بند کردے اور آخر کار اسی باعث مرجاتا ہے۔

پھر حصولِ رزق کے راستے میں اکثر ناگوار معاملات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ان حالات کو اور ایسے بدخواہ اشخاص کو اپنے اوپر سے دفع کرنے کے لیے انسان میں کوئی جذبہ اور کوئی قوت ہونی چاہیے وہ غضب کی قوت ہے' اگر غضب اُس کے اندر نہ ہو تو حاصل کی ہوئی غذا بھی کوئی چھین لے۔نہ اس میں جوشِ انتقام اُٹھے گا نہ وہ دفع کرسکے گا۔انسان کو ان خواہشات و ارادوں کے علاوہ ایک اور ارادہ عطاء ہوا جو پوری طرح عقل کے ماتحت رہتا ہے'۔یہی ارادہ انسان کو بتاتا رہتا ہے کہ غضب کا استعمال کس جگہ مناسب اور ضروری ہے' خواہش کہاں تک ضروری ہے' کاموں کا انجام کیا ہوگا۔اس ارادے سے جانور خالی ہوتے ہیں اسی لیے وہ غضب

اور خواہش کے استعمال میں بھی آزاد ہوتے ہیں اور کاموں کے انجام سے بھی بے خبر۔ یہ خصوصیت صرف انسان کے لیے ہے‘ اب کوئی انسان غضب‘ خواہش کو بے باکانہ استعمال کر کے‘ انجام و نتائج سے بے خبر ہر کام کو بے دھڑک انجام دے کر جانوروں کی صف میں پہنچنا چاہے تو اس سے بڑی کم عقلی کیا ہوگی۔

تیسری نعمت کو دیکھیے!! غذاء کا ادراک ہوگیا اُس کے حاصل کرنے کا ارادہ بھی ہوا مگر جب تک حاصل کرنے کا ذریعہ اور آلہ ہی نہ ہوگا اس وقت تک یہ ادراک و معرفت اور ارادہ شوق سب بیکار ہے اس لیے حرکت کے لیے آلات کا ہونا اور پھر آلات پر قدرت اور قابو ہونا بھی ضروری ہے‘ چنانچہ اعضائے انسانی اور ان پر انسان کو قدرت اسی حکمت کے تحت دیے گئے ہیں۔ ہاتھ سے غذا کو لینا‘ لے کر معدے تک منہ کے راستے پہنچانا‘ اور پہنچانا بھی کس طرح؟۔ سالم لقمہ تو اندر جانا مشکل تھا اس لیے اسی منہ میں جبڑوں کی چکی اور دانتوں کا سلسلہ اس کو باریک کرنے کے لیے رکھ دیا گیا۔ پھر لقمے کو دانت سے کھینچ کر اپنے تلے نہیں لا سکتا‘ یہ کام زبان نے کیا کہ لقمے کو ہر طرف سے دانت کے نیچے کرتی رہے۔ اب غذا چبائی جا چکی‘ نگلنے کا کام باقی ہے‘ مگر خشک غذا کا نگلنا بھی تو ایک مرحلہ‘ اس کے لیے کوئی سیال مادّہ ہونا چاہیے تو اس کام کے لیے منہ کے اندر ہی ایک مادّہ پیدا کر دیا گیا جو غذاء کو تر رکھے اور پھسلا پھسلا کر نگلنے میں آسانی پیدا کرے۔ اس کے بعد بھی غذاء کے جزو بدن بننے میں کتنے ہی مقامات آتے ہیں اور ہر مقام پر ایک حیرتناک نکتہ اور بھید ہے۔ ان سب کو ہم نے اختصار کے پیش نظر ترک کر دیا۔ بہر حال آدمی کو چاہیے کہ خدا کی ان نعمتوں پر غور کرے اور شکر کرے۔ آدمی کھانے کو اوّل تو کم ہی نعمت سمجھتا ہے اور اگر سمجھتا بھی ہے تو یہی نا کہ بھوک لگی‘ مل گیا‘ کھالیا۔ تو اتنی بات تو گدھا بھی جانتا ہے کہ بھوک لگی تو کھالیا اگر صرف اتنا ہی اُسے معلوم ہے تو وہ کیا شکر کرے گا۔

غذاء کے سلسلے میں بہت تفصیل آسکتی ہے۔ غذاء کے ہم تک پہنچنے میں خدا کی کتنی نعمتیں کام کرتی ہیں ان کی تفصیل میں گھسا جائے تو خدا ہی کے اس فرمان پر سر جھکانا پڑتا ہے کہ

''میری نعمتیں اس قدر بے شمار ہیں کہ نہ تم گن سکتے ہو نہ احاطہ کر سکتے ہو۔''

غلّے کا بیج بننا' مٹی میں جانا' مخالف اسباب سے بچا کر موافق آب وہوا میں اس کی نشونما ،اس کی تربیت سورج سے گرمی، ہوا، بادل سے پانی ،مٹی سے غذاء، چاند کے ذریعے میوے اور غلے میں پختگی اور رنگ کا ملنا۔ پھر غلے کو کھانے کے قابل بنانے میں بے شمار نعمت ہے مثلاً گیہوں کا روٹی بن جانا ایک معمولی عمل نظر آتا ہے مگر اس کے پیسنے، پکانے کا عمل پھر اس کام میں لوہے، لکڑی، آگ ،پانی کا کام اور درانتی جس سے گیہوں کٹ کر گھر میں آیا، یہاں سے لے کر روٹی بننے تک جس قدر آلات استعمال ہوئے، ان آلات کے مادّوں کا پیدا کرنا پھر ان کا خاص، ڈھنگ بتانا اور انسانوں کو سکھانا کہ ایسی چیز بنے تو اس سے یہ فائدہ ہے یہ سب اپنے اندر بے شمار تفصیل رکھتی ہیں اور سب کی سب ایک نعمت ہیں۔

انسان غفلت کی وجہ سے نعمت کو نعمت نہیں سمجھتا یا وہ نعمت اتنی عام ہوتی ہے کہ اس کو استعمال کرتا ہے اور کبھی خیال نہیں کرتا کہ اگر یہ نعمت چھن جائے تو کس قدر مصیبت کا سامنا کرنا پڑے اس عمومیت اور آسانی سے مل جانے کی وجہ سے کبھی شکر کرنے کا خیال نہیں آتا اور اوپر غذاء کی جو نعمت ذکر ہوئی یا آگ، پانی ہوا سانس ،تندرستی (بیماری سے پہلے) یہ سب اسی میں آتی ہیں

کسی فقیر نے ایک صوفی سے تنگ مال کی شکایت کی صوفی نے کہا کہ لے میں تجھ کو پانچ ہزار درہم دیتا ہوں تو اپنی ایک آنکھ نکال کر مجھے دے دے! اُس نے سختی سے منع کیا۔ تب صوفی نے کہا تیرے تمام اعضاء کو چھوڑتا ہوں صرف ایک آنکھ ہی ایسی بڑی دولت ہے کہ تو اتنے مال کے بدلے میں دینے پر تیار نہیں ہے اس لیے جا ان تمام نعمتوں کا شکر کر، شکایت مت کر، اس سے معلوم ہوا کہ عام ضروری نعمتوں کو لوگ بھولے رہتے ہیں اور خاص نعمتوں کا شکوہ کرتے ہیں جو اکثر بے ضرورت ہوتی ہیں لوگ خزانے اور بادشاہتیں طلب کرتے ہیں اور نہ ملنے پر شکوہ کرتے ہیں حالانکہ کبھی صحراء اور جنگل میں ناموافق حالات میں پھنس کر بہت ممکن ہے کہ پیاس کی شدت میں ایک گلاس پانی کے بدلے میں خزانے کے خزانے اور ساری بادشاہت بیچ دیں اور تب اندازہ

ہوتا ہے کہ اصل نعمت کیا ہے!!!

انسان اگر ان نعمتوں کو نعمت نہیں سمجھتا بلکہ خاص نعمت ہی کو نعمت جانتا اور اسی کا متلاشی رہتا ہے تو آیئے دیکھیں کہ بہت سی خاص نعمتیں بھی انسان کو میسر ہیں پھر بھی اس کی ہوس پوری نہیں ہوتی اور شکر کی جگہ شکوہ ہی زبان پر رہتا ہے۔کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اپنے آپ میں غور کرے تو بعض نعمت ایسی نہ پائے جو اُسی کے لیے مخصوص ہو یا اس میں کم آدمی شریک ہوں اس میں سے تین نعمتیں تو عام طور پر سب ہی جانتے ہیں اوّل عقل، دوم اخلاق، سوم علم، عقل کا معاملہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص شاید ایسا نہ ہو جو عقل میں خود سے زیادہ دوسروں کو سمجھتا ہو یہی وجہ ہے کہ انسان کبھی اپنی دُعا میں خدا سے عقل کا سوال نہیں کرتا جو صحیح معنوں میں عقلمند ہوتا ہے اُس کا خوش ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن جو عقل کم رکھتا ہے، یا بالکل نہیں رکھتا وہ بھی خود کو سب سے بڑا عقل والا سمجھتا ہے اور اسی خیال میں مست رہتا ہے بہر حال جو سچ مچ عقل کا مالک ہے اُسے تو شکر کرنا ہی چاہیے کہ خدا نے یہ نعمت دی ہے اور جو عقل سے خالی ہے مگر سمجھتا ہے کہ میں بڑا عقل مند ہوں شکر اُسے بھی کرنا چاہیے کیونکہ اپنے تئیں تو وہ اپنے آپ کو عقل والا سمجھ رہا ہے اور اس نعمت کا مالک سمجھتا ہے پھر شکر کیوں نہ کرے۔

خلق کا یہ حال ہے کہ ہر شخص دوسروں کے بعض عیب کو ضرور بُرا سمجھتا ہے اور دوسروں کے بعض اخلاق کو ضرور بُرا جانتا ہے' دوسرں کی بُرائی اس لیے کرتا ہے کہ خود کو ان بُری باتوں سے پاک سمجھتا ہے تو ایسے وقت میں اُسے اور بھی شکر کرنا چاہیے کہ خدا نے فلاں بُری بات سے جو دوسروں میں پائی جارہی ہے مجھ کو پاک رکھا۔ اگر صحیح معنوں میں وہ بُرائی اس میں نہیں ہے تب شکر کرنا ہی چاہیے' لیکن اگر اس کا خیال ہی ہے تب بھی شکر کرے کیونکہ وہ تو اپنے خیال کے مطابق گناہ اور بُرائی سے پاک ٹھہرا۔

اور علم کا معاملہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی باطنی کمزوریوں اور بُری خصلتوں سے واقف ہوتا ہے، وہ کمزوری اور بُری خصلت ایسی ہوتی ہے، جو خاص اسی میں ہوتی ہے۔ اگر کسی کو اُن کا پتہ

چل جائے تو لوگ اس سے سخت نفرت کرنے لگیں گے ۔خلاصہ یہ کہ ہر فرد کو ایک نہ ایک خاص بات کا اپنے بارے میں علم ضرور ہوتا ہے جس میں نہ کوئی شریک ہوتا ہے نہ کوئی مطلع ہو سکتا ہے ۔تو اُس وقت اُسے خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ خدا نے اس کے عیوب کی پردہ پوشی کر دی ہے ۔دوسروں کے سامنے ذلیل ہونے سے بچا لیا ۔تو یہ تین خاص نعمتیں ایسی ہیں جن کا اقرار ہر شخص کرتا ہے، غفلت سے چونکانے اور شکر پر اُبھارنے کے لیے چند صورتیں لکھی جاتی ہیں ممکن ہے لوگوں کے قلوب اس سے راہ پر آ جائیں ۔سمجھ دار لوگوں کو تو اتنا کافی ہے کہ نعمتوں کی جو تفصیل ہم نے لکھی ہے جس کی رُو سے زندگی کی معمولی سے معمولی ضرورت کی چیز بھی نعمت ہے اسی پر غور فکر کریں تو شکر ادا کرنے لگیں گے ۔اور جو لوگ کسی خاص نعمت کا انتظار کرتے ہیں یا کسی مصیبت کے بعد اس سے پہلی حالت کو نعمت جانتے ہیں ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ باعتبار جان، مال، صحت، تندرستی، نیکی اور بُرائی ہمیشہ اپنے سے کمتر پر نظر رکھیں ۔جب ہر اعتبار سے اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو دیکھیں گے تو بے شک شکر کریں گے ۔ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے دل میں اس بات کو جما لے کہ نعمت ملتی ہے تو جوق در جوق ان کے پاس حاجت مند آنے لگتے ہیں ۔اگر ان حاجت مندوں سے وہ سستی برتتا ہے تو گویا اپنی نعمت کو ضائع کرنا چاہتا ہے ۔

ایمان والے اللہ سے کیوں ڈرتے ہیں

(ہارون یحییٰ)

خوف خدا دراصل انتہائی مضبوطی سے حبّ الٰہی کیساتھ جڑا ہوا ہے۔حبّ الٰہی صرف اللہ کے قرب سے ہی حاصل ہوسکتی ہے، جو صرف اسی وقت حقیقت میں میسر آتا ہے جب کوئی شخص اللہ سے دلی اور مخلصانہ طور پر رشتہ بنالیتا ہے تاہم، اللہ کا قرب، اُس (اللہ) کی محبت اور منظوری کے بغیر ممکن نہیں اور یہ (اللہ) کی مقرر کردہ حدود کی پابندی اور اس اللہ کے احکامات کی بجا آوری سے ہی حاصل ہوتا ہے۔چنانچہ یہ کوئی ایسا مقام نہیں جو اللہ کا خوف کئے بغیر حاصل کیا جاسکے کیونکہ ایسی صورت میں اس شخص کی روح جو اللہ کا خوف نہیں رکھتا مسلسل اسے ان چیزوں کی طرف کھینچے گی جو اللہ کی طرف سے ممنوع قرار دی گئی ہیں اور وہ ان چیزوں سے غافل اور دور ہوجائے گا جو اللہ ہم سے چاہتا ہے اسی وجہ سے اللہ کی رضا حاصل کرنے کا واحد راستہ اس سے ڈرتے رہنا ہے۔

یہ طریقہ اللہ کا بتایا ہوا ہے چنانچہ یہ سمجھنا کہ اللہ کی محبت اور رضا، اللہ کے خوف رکھے بغیر حاصل کی جاسکتی ہے دراصل انتہائی خود فریبی کی نشانی ہے۔دوسری ہر چیز سے پہلے اللہ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں۔اس حکم کو نظر انداز کرنا اور یہ کہنا کہ انسان کو صرف اللہ سے پیار کرنا چاہیے، غیر منطقی بات ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ سے پیار کرتے ہیں حالانکہ ان کے اعمال اس کے برخلاف اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوتے ہیں، ایسے لوگ دراصل اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے خود کو ہی دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں۔وہ جس حبّ الٰہی کی بات کرتے ہیں وہ صرف ان کا من گھڑت اور غیر حقیقی تصور ہوتا ہے جو لوگ حقیقتاً اللہ سے پیار کرتے ہیں وہ تو اس اللہ کے احکامات اور پابندیوں کے بارے میں انتہائی محتاط اور قطعی پابند رہتے ہیں۔یہ کہنا کہ

اللہ سے ڈرنا ضروری نہیں دراصل ایسے ہی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ:

''نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور عبادت کرنے کی ضرورت نہیں۔'' ایسے لوگ نہ صرف خدا کے حوالے سے بہانے تراشتے ہیں بلکہ وہ اللہ کے دیگر احکامات کو پورا کرنے سے بچنے کیلئے بھی یہی روش اختیار کرتے ہیں۔

وہ جانتے ہیں اللہ زمین پر بھی گرفت میں لے سکتا ہے:

قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے اسی دنیا میں عذاب سے دوچار کر دیا اللہ کی طرف سے عذاب سے بچنے کے کافی مواقع ملنے کے باوجود بھی جن لوگوں نے بدستور ایمان لانے سے انکار کیا، انہیں اپنے کیئے کی سزا کے طور پر اس دنیا میں ہی اللہ کی ''پکڑ'' کا سامنا کرنا پڑا اور وہ دوسرے لوگوں کے لیے خاص مثالیں بن گئے ہیں۔

اس طرح کی ایک خاص مثال قارون کی ہے جسے اللہ نے بے حد مال و دولت سے نوازا تھا۔ اس بے شمار دولت کی وجہ سے وہ متکبر ہو گیا اور خود ستائشی کی انتہائی حد تک پہنچ گیا شروع میں لوگ قارون کی زبردست طاقت سے متاثر تھے اور وہ مکمل طور پر اس کی تعریف و توصیف بجا لاتے تھے تاہم بعد ازاں، جب وہ بے انتہا غرور کے باعث اپنے منطقی انجام سے دوچار ہوا تو لوگوں کو بالآخر سچ سمجھ آیا۔ اس کی نافرمانی کے صاف نتیجہ کے طور پر قارون کو انتہائی غیر متوقع اور ناقابل تصور انداز میں تباہ و برباد کر دیا گیا اور اسے پوری نسل انسانی کیلئے ایک سبق بنا دیا گیا۔

''الغرض! (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب و زینت کے ساتھ۔ کہنے لگے وہ لوگ جو آرزومند تھے دنیوی زندگی کے اے کاش! ہمیں بھی اسی قسم کا (جاہ جلال) نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو۔ واقعی وہ تو بڑا خوش نصیب ہے۔ (سورۃ القصص۔ آیت:۷۹)

''پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں' تو نہ تھی اس کے

حامیوں کی کوئی جماعت جو اس وقت اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں۔ اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا۔"اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے (اب پتہ چلا) کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑھ دیتا۔ (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے۔" (سورۃ القصص آیات ۸۱-۸۲)۔

قارون کی کہانی اور قرآن میں موجود بہت سے دوسرے ایسے طاقتور اور اعلیٰ دنیاوی مقام رکھنے والے لوگوں کے قصے جو خود کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے اس حقیقت کی طرف خاص توجہ دلاتے ہیں کہ اللہ نے ان لوگوں کو اسی دنیا میں سزا دی۔ یہ حقیقت قرآن مجید کی بہت سی آیات مبارکہ میں بیان کی گئی ہے:

ترجمہ: "کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی (سیر کرتے) تو دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسے ہوا۔ وہ ان سے زور و قوت میں کہیں زیادہ تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا اور اس کو اس سے زیادہ آباد کیا تھا جو انہوں نے آباد کیا"۔ (سورۃ الروم، آیت:۹)

ترجمہ: "کیا اس (مغرور) کو اتنا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے قومیں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں؟" (القصص آیت:۷۸)

ترجمہ: "اور (ان احمقوں نے یہ نہ سوچا) کہ کتنی قومیں ان سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا وہ سازو سامان اور ظاہری سج دھج میں ان سے بہتر تھیں"۔ (سورہ مریم۔ آیت:۷۴)

جو چیز ایک سچے مومن کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کا ان تمام معاملات پر غور و فکر کرنا ہے وہ (مومنین) اندرونی جذبہ کے تحت اللہ سے ڈرتے ہیں اور محتاط ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں جب ان سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے یا وہ کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھتے ہیں تو انہیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اللہ فوراً اس پر ان کی "پکڑ" کر سکتا ہے اور اسی لیے وہ غم اور ندامت کی حالت میں

اُسی (اللہ) کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

ایک سچا مسلمان اللہ سے بہت ڈرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی لامحدود رحمت پر بھی کامل یقین رکھتا ہے یہ سمجھ بوجھ اسے حیات بعد از موت پر غور کرنے کے نتیجے میں عطا ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر فرماتا ہے جو سچے مومنوں کے برخلاف روّیہ اختیار کرتے ہیں اس روّیہ کے نتیجے میں ملنے والے عذاب کو با آسانی سمجھا جا سکتا ہے مگر یہ لوگ اس کو اپنے اخذ کردہ نتائج کی وجہ سے حقیقی طور پر سمجھ نہیں پاتے اور اپنی غلط روش پر چلتے رہتے ہیں۔ اس صورتحال کو قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

ترجمہ: ''پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان کی وادیوں کی طرف آرہا ہے تو بولے یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے، (نہیں نہیں!) بلکہ یہ تو عذاب ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے۔ (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو اپنے ربّ کے حکم سے۔ پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے (ویران) مکانوں کے'' اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔''

(سورۃ الاحقاف۔ آیات: ۲۴۔۲۵)

نتیجتاً جب ہم قرآن میں دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ برے اعمال اور بدی کرنے والا اگر اپنی اصلاح نہیں کرتا اور فوراً ان اعمال کو ترک نہیں کرتا تو جیسا کہ اللہ کے عظیم انصاف کا تقاضا ہے، اس شخص کو بخشا نہیں جاتا۔ تاہم یہ سزا کبھی لوگوں کو اسی دنیا میں آ لیتی ہے اور کبھی اسے روز قیامت کیلئے ملتوی کر دیا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو خودسری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنے بداعمال کو جاری رکھتے ہیں وہ اس عذاب سے قطعاً محفوظ نہیں جو اللہ اُن پر ایک لمحے میں مسلط کر سکتا ہے اس حقیقت کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

ترجمہ: ''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ تعالیٰ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے

کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل، پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے کوئی کارساز کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے سمندر میں دوسری مرتبہ اور بھیجے تم پر سخت آندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو پھر غرق کر دے تمہیں بوجہ کفر کے جو تم نے کیا، پھر تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے ہم سے اس ڈبونے پر کوئی انتقام لینے والا۔"

(سورۃ بنی اسرائیل۔آیات:٦٨۔٦٩)

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عظیم انصاف کو یوں بیان فرماتے ہیں:

ترجمہ: "اُس اللہ کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم لازماً نیک کاموں کی تاکید کرو اور برے کاموں سے روکتے رہو ورنہ اللہ یقیناً بہت جلد اپنا عذاب تمہاری طرف بھیج دے گا۔ پھر تم گڑگڑاؤ گے اور کوئی جواب نہیں ملے گا۔" (**ترمذی**)

انسان اپنی ساری زندگی غیر ذمہ داری سے نہیں گزار سکتے کیونکہ وہ اللہ کے سامنے جوابدہ ہیں چنانچہ اس کے خلاف جانا خود پر اللہ کا عذاب مسلط کرنے کے مترادف ہو گا۔ سوچتے سمجھتے ہوئے ایسا روّیہ روا رکھنا اللہ کی طاقت کی عظمت کو سمجھنے میں ناکامی کی واضح نشانی ہے اگر اللہ چاہتا تو وہ کسی بھی لمحے اُن تمام نعمتوں کو واپس لے لیتا۔ جن سے اُس نے انسانوں کو نواز رکھا ہے۔ اس بات کی طرف قرآن کی آیات مبارکہ میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

ترجمہ: "اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑ کر آتے بھی ان (اندھوں) کو راستہ کیسے نظر آتا اور اگر ہم چاہتے تو ہم اُنہیں مسخ کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر پھر وہ نہ آگے جا سکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے"۔

(سورۃ یٰسین۔آیات:٦٦۔٦٧)

<u>حقیقت تو یہ ہے کہ ہر شے جو کسی شخص کے پاس ہے، ہر سانس جو وہ لیتا ہے، اُس کی زندگی کا ہر سیکنڈ.... اللہ کا عطا کردہ ہے، اور چونکہ حقیقی مومنین ان حقیقتوں سے آگاہ ہیں لہٰذا وہ ہر لمحہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کا خیال رکھتے ہیں۔</u>

بغیر تیاری موت کے آ لینے کا ڈر:

موت ایک واضح حقیقت ہے اوسط کی بنیاد پر ایک انسان دنیا میں تقریباً 60 برس تک زندگی گزارتا ہے اور اس کے بعد حیات از موت شروع ہو جاتی ہے۔ یہ حیات بعد از موت یا تو جنت کے باغات میں کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں کے ساتھ گزارنی ہوگی اور یا پھر جہنم کی آگ میں، جو کہ روح اور بدن کے عذاب کیلئے خصوصی طور پر تیار کی گئی ہے۔ جب بھی اللہ چاہے، وہ کسی بھی شخص کی اس دنیاپر حیات کا خاتمہ کرسکتا ہے اور اسے عدم کی طرف منتقل کرسکتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس (اللہ) کا یہ فیصلہ آنکھ جھپکنے کے ساتھ ہی حقیقت بن سکتا ہے۔

کوئی بھی شخص یہ نہیں جان سکتا کہ وہ کب موت کا شکار بنے گا، کب اس کا وقت امتحان ختم ہوگا اور کب اس کے حتمی فیصلے کا لمحہ آپہنچ گا۔ اس حقیقت کے نتیجے میں ظاہر ہے اسے اس بات سے بے حد خوفزدہ اور فکر مند ہونا چاہیے، کہ کہیں تیاری کے بغیر ہی وہ لمحات نہ آپہنچیں، وہ اپنے اعمال کا جواب نہ دے سکے اور ان فرائض کا بوجھ اس پر لاد دیا جائے جنہیں وہ نظر انداز کرتا رہا تھا یا سنجیدگی سے نہیں لیتا رہا تھا۔ جب موت کے فرشتے آپہنچتے ہیں تو پھر نامکمل فرائض کو ادا کرنے کا کوئی مزید موقع نہیں رہتا اور نہ ہی انسان اس کام کیلئے کوئی متبادل راہ تلاش کرسکتا ہے جو مکمل ہونا چاہیے تھا اس لمحے تک کئے گئے اعمال انسان کے حق میں بھی ہو سکتے ہیں اور اس کے لیے باعث عذاب بھی۔ اور ہر شخص کو ان اعمال کیلئے جوابدہ ہونا ہوگا اسے ان کا ذمہ دار ٹھہرایا جائیگا اور پھر ان کے بدلے میں عذاب یا انعام سے نوازا جائے گا۔

موت ایسی حقیقت ہے جس کے بعد دنیاوی زندگی میں واپسی کا کوئی امکان نہیں۔

"ہر شخص کو اتنی لمبی عمر دی گئی تھی جس میں وہ (باآسانی) نصیحت قبول کرسکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا۔" (سورۃ فاطر آیت: ۳۷)

جب مدت کا مقررہ وقت آپہنچتا ہے تو پھر وہ شخص خواہ کتنا بھی گڑگڑائے یا التجا کرے

اسے مزید کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔اسے اللہ، کے ان فرائض کو پورا کرنے کیلئے کوئی اضافی وقت نہیں دیا جائے گا، جو اس نے اس وقت تک ادا نہیں کئے ہوں گے۔ سچے مسلمانوں کو نافرمانی اور غفلت سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کیا ہے:

ترجمہ: ''اور خرچ کرلو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو (اس وقت) وہ یہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت کے لیے کیوں مہلت نہ دی تاکہ میں صدقہ (وخیرات) کرلیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آجائے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔''(سورۃ المنٰفقون۔آیات۱۰۔۱۱)

لوگوں کو کبھی بھی خود سے یا ان اعمال سے جو انہوں نے اب تک انجام دیئے ہیں مطمئن نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ موت کسی بھی لمحے حقیقت بن سکتی ہے اور وہ بغیر تیاری کے اپنے اس انجام سے دوچار ہو سکتے ہیں جہاں سے واپسی ناممکن ہے اسی لیے انسان کو ہر لمحہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کرتے ہوئے گزارنا چاہیے۔

وہ روزِ حساب سے ڈرتے ہیں:

اللہ اور روزِ حساب کا جو ڈر ایمان والوں کے دلوں میں گامزن رہتا ہے اسے درج ذیل آیت قرآنی میں بیان فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: ''جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے ربّ سے بن دیکھے نیز وہ قیامت سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔''(سورۃ الانبیاء۔آیت:۴۹)

مزید براں، ایک اور آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اندرونی خوف کی طرف یوں اشارہ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے

ان میں اللہ تعالیٰ کا نام ۔اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح اور شام ۔وہ (جواں) مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید وفروخت یادِ الٰہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے، وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے گھبرا جائیں گے جس میں دل ۔اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی ۔(سورۃالنور۔آیات:۳۶۔۳۷)

قیامت کے روز دونوں طرح کے لوگوں کو یعنی ان لوگوں کو بھی جو اللہ کے خوف سے ساری زندگی دور رہے اور ان لوگوں کو بھی جو ایمان لائے اور پرہیز گاری اختیار کئے رکھی ..... باری باری ان کے دنیاوی اعمال دکھائے جائیں گے ۔مزید یہ کہ چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کو بھی نظر انداز نہ کرتے ہوئے ،اس روز (روزِ حساب) وہ لوگ جنہوں نے اپنی ساری زندگی اللہ سے ڈرے بغیر غیر ذمہ داری سے بے احتیاطی سے گزاری ،خوب اچھی طرح جان لیں گے کہ ان کا ٹھکانہ کیا ہے:

''اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ در گروہ تا کہ انہیں دکھا دیئے جائیں ان کے اعمال ۔پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی اسے دیکھ لے گا ۔''(سورۃ الزلزال ۔آیات:۶۔۸)

اس وقت خوف اور غم کے باعث وہ موت کی خواہش کریں گے اور راہ تلاش کریں گے ان کی خستہ حالی کو قرآن کی درج ذیل آیات میں واضح کیا گیا ہے:

ترجمہ: ''اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا اے کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ اعمال اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے ۔اے کاش! موت نے ہی (میرا قصہ پاک کر دیا ہوتا) ۔آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا ۔میری بادشاہی بھی فنا ہوگئی (سورۃ الحاقۃ ۔آیات :۲۵۔۲۹)

ترجمہ: ''اور جس (بدنصیب) کو اس کا نامہ اعمال پس پشت دیا گیا تو چلائے گا ہائے موت! ہائے موت! اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں ۔بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال میں خوش و

جُرم رہا کرتا تھا وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا کیوں نہیں ۔اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا۔

اس کے بعد ہر شخص کے اعمال ناموں کا ان ترازوؤں میں وزن کیا جائے گا جو اللہ نے روزِ قیامت کیلئے تیار رکھے ہیں۔کسی سے ذرہ بھر ناانصافی بھی نہیں کی جائے گی۔اگر کوئی پرہیز گار نہیں ہوگا تو اس کے اعمال نامہ کا پلڑا ہلکا ہوگا اور اسے مجرم قرار دیکر گرفتار کرلیا جائے گا، بلکہ اس روز تو کوئی اپنی مدد آپ کرنے کے قابل بھی نہیں ہوگا۔اس لاچاری کا تکلیف دہ احساس انسان کے پورے وجود کو لپیٹ میں لے لے گا۔

ترجمہ: ''اور جس کے نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔اور آپ کو کیا معلوم ہاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ۔''(سورۃ القارعۃ۔آیات:۸۔۱۱)

اس روز جن لوگوں نے دنیا میں اللہ سے ڈرے بغیر زندگی گزاری ہوگی، انکے تمام گناہوں کو بیک وقت اُن کے سامنے لاکھڑا کیا جائے گا۔نہ صرف وہ بداعمال جو انہوں نے کئے ہوں گے بلکہ وہ تمام برے اعمال جو سامنے آکھڑے ہوں گے۔جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس غم سے جو ان پر طاری ہوگا نجات کیلئے کچھ نہیں کر پائیں گے، حتیٰ کہ ان بد اعمال سے انکار بھی ممکن نہیں ہوگا کیونکہ ان کے کان، کھال اور دیگر تمام اعضاء بھی اُن کے خلاف گواہی دیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے:

ترجمہ: ''عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد بہت آرزو کرینگے کفار کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔''(سورۃ الحجر۔آیت:۲)

ایمان والے جو خوف محسوس کرتے ہیں وہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ محتاط ہو کر پرہیز گارانہ زندگی بسر کرتے رہیں کیونکہ وہ اس بات سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ اس روز (روزِ قیامت) اللہ کی آیت سچ بن کر سامنے آجائے گی۔اسی وجہ سے ضروری ہے کہ انسان جب تک اس دنیا میں رہے تو کوئی ایسا کام نہ کرے جس کیلئے وہ قابلِ قبول عذر پیش نہ کر سکے۔حقیقت میں

یہ نا قابل فہم ہے کہ کوئی عقل فہم رکھنے والا شخص اس کے بر خلاف زندگی بسر کرے۔اللہ کا علم ہر جگہ موجود ہے اور ہر شے کو اپنی لپیٹ اور قدرت میں لئے ہوئے ہے۔وہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور اس کے مقرر کردہ خاص فرشتے معمولی سے معمولی تفصیل سمیت ہر چیز کو لکھتے جا رہے ہیں انسان کیلئے روز آخرت کو بھلا کر دنیا کے بے وقعت اور نا پائیدار معاملات میں اُلجھا رہنا سب سے بڑی بیوقوفی ہے۔

صبح سویرے جب ہم اپنی آنکھیں کھول کر بیدار ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ نے ہمیں ایک نیا دن اور ایک اور موقع عطا کیا ہے۔ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایک روز ہمیں اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے،اور نیک اعمال کی مخلصانہ سوچوں کے ساتھ اپنے دن کا آغاز کرنا چاہیے۔ہماری سوچ یہ ہونی چاہیے کہ ان اعمال اور ایسے طرز عمل سے خود کو بچائے رکھیں جو اللہ کو پسند نہیں۔کوئی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ جب وہ لمحہ آپہنچے تو وہ ان لوگوں میں شامل ہو جنہیں مجرم قرار دیکر کبھی نہ ختم ہونے والے عذاب کی طرف بھیج دیا جائے اور وہ چلا رہا ہو"اے کاش..."اور"کاش ایسا ہو سکتا......"

ترجمہ: ''اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا بدلہ دے سکے گا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بھی ،بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا (شیطان) تمہیں خدا کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے۔''(سورہ لقمان۔آیت:۳۳)

اعتدال حسنِ زندگی ہے

(حمید اللہ حمیدی)

انسان اپنے قول و فعل، عمل و فکر اور معاملات زندگی میں دو روّیوں اور طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ کبھی امور زندگی میں بڑی غیر ذمہ داری، لاپرواہی اور کاہلی برتتا ہے اور کبھی جذبات میں آ کر ایسا روّیہ اختیار کرتا ہے، جو عقل و دانش اور فطرت کے خلاف ہوتا ہے۔ زندگی کے کسی بھی شعبۂ معاملات اور مرحلے میں انتہائی طرزِ عمل، افراط و تفریط کہلاتا ہے۔ یعنی جب انسان فطرت کی طے کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے تو نہ صرف انسان کو ذہنی پریشانیوں، مالی نقصان اور روحانی بے چینی اور پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ عمل و کردار میں تجاوز نظامِ زندگی اور حسنِ حیات کو مسخ کر دیتا ہے۔

توازن اور اعتدال زندگی کا حُسن ہے۔ روحِ کائنات اور قانونِ فطرت ہے۔ یہی حسن اور قانون نظامِ کائنات میں دکھائی دیتا ہے۔ سورج کی شعاؤں کا مخصوص درجہ حرارت ہی اس دھرتی کی زندگی کی ضمانت ہے۔ اگر حرارت مقررہ درجہ سے تجاوز کر جائے تو ہر چیز جل کر راکھ ہو جائے۔ اسی طرح درجہ حرارت گر جانے سے سردی ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ اسی طرح انسان کے خون کے دباؤ، جسم میں موجود شکر و دیگر وٹامنز میں کمی بیشی کا انسانی صحت و توانائی سے گہرا تعلق ہے۔ دینِ اسلام ایک فطری دین ہے جو انسانوں کو دنیا میں ایک متوازن اور فطرت کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر جینے کا سبق دیتا ہے۔ دینِ اسلام زندگی کو نہ تو لذت پرستی، عیش پرستی کا نصب العین قرار دیتا ہے اور نہ ہی رہبانیت یعنی ترکِ دنیا اور نفس کشی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

جو لوگ عبادت و ریاضت ، زیب و زینت ، سماجی معاملات ، رسوم و رواج ، لین دین ،تفریح و مشاغل، خوردونوش اور قول وعمل میں اعتدال ،نظم وضبط اور تحمل سے کام لیتے ہیں وہ زندگی میں بہت سی نفسیاتی الجھنوں ، معاشی پریشانیوں اور مایوسیوں (Depression) سے محفوظ رہتے ہیں بہت سے لوگ اپنی دولت ، قابلیت اور ہوشیاری کے باوجود ناکام اور پریشان رہتے ہیں کیونکہ ان کی زندگی میں توازن اور نظم نہیں پایا جاتا ۔جس طرح نفس کشی کے شوقین کفرانِ نعمت کے مرتکب ٹھہرتے ہیں ۔اسی طرح نفس پرستی سے دولت اور صحت دونوں برباد ہو جاتی ہیں ۔ دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق بخل اور دولت پرستی ایک انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے اور نفسیاتی تسکین کیلئے دکھاوے ،نمائش، جھوٹے وقار، رسومات کی ادائیگی ،تعمیرات ،تقریبات پر بے تحاشا دولت کا اسراف ایک شیطانی فعل ہے ۔

افراط وتفریط کے درمیان اعتدال ایک ایسا قابل عمل طریقہ اور محفوظ راستہ ہے جس پر چل کر ہم پریشانیوں اور پشیمانیوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں ۔دولت کمانے کے ساتھ دولت کے استعمال کا طریقہ سکھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

"نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ ہی اسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ" ۔ یعنی نہ ہی کنجوس اور بخیل بن کر جیو اور نہ ہی اتنی بے دردی کے ساتھ دولت ضائع کرو کہ سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے اور پھر مقروض اور محتاج بن جاؤ ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی تمام نعمتوں سے استفادہ کرو لیکن دولت کو ضائع نہ کرو ۔
اللہ نے دولت کو بے تحاشا فضولیات اور خواہشات کی تکمیل پر خرچ کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

"فضول خرچی نہ کرو۔فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں" ۔(بنی اسرائیل)

فرمان الٰہی ہے:

"اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ (بلکہ دونوں کے درمیان) اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں"۔(الفرقان)

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "جو میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ کبھی محتاج نہیں ہوتا"۔

محسن انسانیت ﷺ کا ارشاد ہے۔"بہترین طرزِ عمل میانہ روی ہے"۔

ایک صاحب بصیرت مسلمان کی زندگی میں توازن اور نظم ہوتا ہے۔وہ حقوق اللہ بھی ادا کرتا ہے اور حقوق العباد کا بھی احترام کرتا ہے۔وہ دنیا کی نعمتوں سے بھی استفادہ کرتا ہے اور اپنے خالق سے بھی روحانی اور قلبی رشتہ برقرار رکھتا ہے۔اس کا دماغ دنیا میں مصروف رہتا ہے تو دل آخرت کی فکر میں دھڑکتا ہے۔جسم دنیا میں متحرک رہتا ہے اور روح دیدارِ الٰہی کے لئے بے قرار رہتی ہے۔وہ دنیا میں بہترین نعمتوں کا طالب ہوتا ہے تو آخرت میں انعام واکرام کے لئے دعا گو رہتا ہے۔ایک متوازن اور منظم زندگی بسر کرنے والا کبھی مایوس اور ناکام نہیں ہوتا۔ اس کا دل مطمئن،روح پرسکون اور زندگی شادمان ہوتی ہے۔روحانی بے سکونی، ذہنی الجھنوں اور معاشی پریشانیوں سے بچنے کے لئے معتدل اور متوازن زندگی بسر کیجئے۔

مذہب

(عبدالرشید ساہی)

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تو تم بھی نہیں
جذ ب با ہم جو نہیں محفل ا نجم بھی نہیں

مذہب کے نام پر دنیا میں کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے اور کیا کیا نہیں ہو چکا۔مذہب کی آڑ میں کیا کیا گل نہیں کھلائے گئے مذہب کی حفاظت میں کیا کیا نہیں قربان ہوا اور پھر مذہب انسان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے جس کا کوئی مذہب نہیں وہ بھی اپنے آپ کو مذہب پر تصور کرتا ہے۔ مذہب ہمیشہ انسان کو حدود و قیود میں رہ کر زندگی بسر کرنے کا درس دیتا ہے مگر انسان حدود سے آزاد ہو کر زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔آج کا انسان مذہب سے آزاد ہونا چاہتا ہے کیونکہ مذہب کی موجودگی میں وہ اپنے گناہوں پر ندامت محسوس کرنے پر مجبور ہے۔علامہ اقبال فرماتے ہیں:

تیری زندگی اسی سے تیری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

انسان حرام مال کماتا ہے اور اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ حلال کی کمائی ضروریات زندگی کو پورا نہیں کرتی وہ حرام مال گھر میں لاتا ہے تو اسے یاد آتا ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ انسان کو اس کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا وہ مذہبی خیال سے دور بھاگتا ہے لیکن مذہب اس کے اپنے اندر سے جواب دیتا ہے،خبردار!تم بھاگ کے کہاں جاؤ گے یہ عدالت رب کبریا کی عدالت ہے میں تمہارے ضمیر میں ہوں تمہارے خون میں ہوں،تمہارے خمیر میں ہوں، غافل! بھاگنے سے کچھ نہیں ہوتا ٹھہر جا!اور غور کر،یتیم کا مال واپس کر دے،دیکھ اپنے بچوں کو آگ نہ کھلا یہ ناجائز کمائی تیرے اور تیری اولاد کے لئے آگ ہے تیرے معصوم بچوں نے تیرا کیا بگاڑا ہے۔ ان معصوموں پر رحم کھا،انہیں عذاب کا لقمہ نہ کھلا۔رشوت کا مال،بددیانتی کا مال،ہیرا پھیری کا مال ،ذخیرہ اندوزی کا مال۔ملاوٹ کا مال،ہیرا پھیری جھوٹ اور فریب سے کمایا ہوا مال ایک بہت بڑا

عذاب ہے باز آ۔ اے انسان، تو نادانی میں پڑا ہے باز آ۔ اور ہوش اور عقل کر، لیکن نادان کیسے عقل کرے۔ ضمیر ختم ہو چکا ہے عقل پر پردے پڑے ہیں حرص اور طمع نے اندھا کر رکھا ہے معاشرہ کی بے انصافیاں دیکھ کر ترس آتا ہے۔ ان انسانوں پر جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہریں لگ چکی ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

تیرا من روح سے نا آشنا ہے عجب کیا! آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے روح سے بیزار ہے حق خدائے زندہ، زندوں کا خدا ہے

روح کی زندگی انسان کے لئے مینارہ نور ہے اور روح کا مردہ ہونا انسان کو حقیقی موت عطا کرتا ہے۔ جس انسان کی روح بیدار ہوتی ہے اس کا تعلق خدا سے جڑا ہوا ہوتا ہے اور مردہ روح والے انسان سے اللہ تعالیٰ اپنا تعلق ختم کر دیتے ہیں۔ زندہ روح والا انسان انتہائی احساس والا ہوتا ہے اور مردہ روح والا انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

احساس کے پھولوں کو خزاں چھو نہیں سکتی الفت کے چمن زار صدا زندہ رہیں گے
الفت ہے جہاں میں غم انسان سے جن کو وہ دیدہ بیدار سدا زندہ رہیں گے

آج مذہب پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ لائبریریاں بھری پڑی ہیں اور انسان کا دل خالی ہے۔ مذہب میں عمل کی بات کیا ہے اور علم کی بات کیا ہے کون سا انسان ہے جس کا عمل اس کے علم کا شاہد ہو۔ مذہب کی اساس عمل ہے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اسلام قبول کرنے والا انسان رحمت عالم سے سوال کرتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ حکم تو میں نے پڑھ لیا ہے اب مجھے کیا کرنا ہے تو اسے جواب ملتا ہے جو مسلمان کر رہے ہیں وہی کرو۔ جہاد کا وقت ہے تو تیاری کرو اور اگر امن کا زمانہ ہے تو رزق حلال کماؤ، محنت کرو، عبادت کرو، انسانوں کی خدمت کرو۔

غفلت اور اس کا علاج

(حکیم محمد اسلم شاہین)

دنیا کی ہر نعمت میں ضرورت سے زیادہ انہماک باعث غفلت ہے، جو دنیا کی نعمت سے دل لگاتا ہے وہ غفلت کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ منافقون کی آیت :۹ میں ارشاد فرماتا ہے: ''اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد اور اطاعت سے غافل نہ کردیں اور جو ایسا کریں وہی لوگ نقصان میں ہیں''۔

اس آیت مقدسہ سے ان لوگوں کو درس عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ جن کو نماز' روزہ کی تلقین کی جاتی ہے تو وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جناب ہم تو اپنے رزق کی فکر میں لگے رہتے ہیں' روزی کمانا اور بال بچوں کی خدمت کرنا بھی عبادت ہے۔ یقیناً ایسی باتیں غفلت ہی کرواتی ہیں حجتہ الاسلام حضرت سیدنا امام احمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ مکاشفة القلوب میں نقل کرتے ہیں حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام اور حضرت عزرائیل ملک الموت علیہ السلام میں دوستی تھی ایک بار جب حضرت ملک الموت آئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے استفسار فرمایا کہ آپ ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں یا میری روح قبض کرنے آئے ہیں؟ کہا ملاقات کیلئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے وفات دینے سے قبل میرے پاس اپنے قاصد بھیج دینا۔ ملک الموت نے کہا میں آپ کی طرف دو یا تین قاصد بھیج دوں گا۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی روح قبض کرنے کیلئے ملک الموت آئے تو آپ نے ارشاد فرمایا: آپ نے میری وفات سے قبل قاصد بھیجنے تھے؟ ملک الموت علیہ السلام نے کہا سیاہ بالوں کے بعد سفید بال آنا' جسمانی طاقت کے بعد کمزوری اور سیدھی کمر کے بعد جھکاؤ' اے یعقوب علیہ السلام موت سے قبل انسان کی طرف یہی میرے قاصد ہیں تو معلوم ہوا کہ موت کے آنے سے پہلے ملک الموت اپنے قاصد

بھیجتے ہیں۔بیان کردہ تین قاصدین کےعلاوہ بھی احادیث میں مزید قاصدین کا تذکرہ ملتا ہے چنانچہ مرض، کانوں اور آنکھوں کا تغیر یعنی پہلے نظر اچھی ہونا پھر کمزور پڑ جانا اور سننے کی طاقت کی درستی کے بعد بہرا پن کی آمد بھی موت کے قاصد ہیں۔ہم میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کے پاس ملک الموت کے قاصد تشریف لا چکے ہوں گے مگر غفلت ہم پر ایسی سوار ہے کہ اگر سیاہ بال سفید ہونے لگتے ہیں تو بندہ اپنے دل کو ڈھارس دینے کے لئے کہتا ہے کہ یہ تو نزلہ سے بال سفید ہوگئے ہیں اسی طرح بیماری جو موت کی قاصد ہے اس میں بھی سراسر غفلت ہی برتی جاتی ہے۔

یاد رکھیئے! موت اچانک آپ کو روشنیوں سے جگمگاتے کمرے سے اُچک کر اور نرم آرام دہ گدے سے مزین خوبصورت پلنگ سے اُٹھا کر کیڑے مکوڑوں سے بھری ہوئی خوفناک اندھیری قبر میں سلا دے اور آپ چلاتے رہ جائیں اور فریاد کریں کہ یا اللہ عزوجل بس دنیا میں ایک بار پھر بھیج دے، اب تو میں کبھی بھی غفلت کا شکار نہیں ہوں گا۔لیکن اب پچھتانے اور سر پھوڑنے سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔لہٰذا اب تو موقع ہے جلد اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر لیجئے اور آئندہ صلوٰۃ وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کا پکا عزم کر لیجئے یاد رکھیئے جو کوئی جان بوجھ کر ایک نماز چھوڑتا ہے اس کو رونق المجالس کی روایت کے مطابق دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا، جو کوئی رمضان کا ایک روزہ بغیر اجازتِ شرعی قضا کر دے اسے نو لاکھ برس دوزخ کی آگ میں جلنا پڑے گا۔

غفلت کا علاج: غفلت ایک ایسی بیماری ہے کہ اس کا علاج بیمار کے اپنے ہاتھ میں تو ہوتا نہیں اور پھر جب غافل کو اپنی غفلت کا پتہ بھی نہ ہو تو کسی دوسرے سے علاج کیلئے رجوع بھی نہیں کر سکے گا۔بہر حال ایسے غافلوں کا علاج علماء دین کے ہاتھ میں ہوتا ہے جیسا کہ بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی ماں باپ اور استاد کی کوشش سے غافل نہیں ہونے دیا جاتا اسی طرح علماءِ باعمل کا واعظ آدمیوں کو غافل ہونے سے بچاتا ہے اور انہیں بیدار کئے رکھتا ہے۔لیکن افسوس

کا مقام ہے کہ دورِ حاضر میں اب اس طرح کے واعظ کمیاب ہو رہے ہیں اس لئے غفلت کی بیماری زیادہ پھیل گئی ہے اور لوگ اس کے حجاب میں گرفتار ہو گئے ہیں بعض واعظ ان غافلوں سے کچھ کہتے بھی ہیں تو وہ محض زبانی جمع خرچ کرتا ہے یعنی ان کی باتیں صرف زبان ہی سے نکل رہی ہوتی ہیں دل ان کا اپنا بھی حجاب ہی میں ہوتا ہے لہٰذا ان کے واعظ میں نہ کوئی تاثیر ہوتی ہے اور نہ فائدہ۔

دعائے مغفرت

جڑانوالہ سے بھائی محمد سلیم (خادم حلقہ) اور ان کے دو بھائی

لسوڑی سے سید زاہد حسنین مرتضٰی

(جو سید عابد کبیر شاہ کے بڑے بھائی اور سید رحمت اللہ کے چچا تھے)

ملتان سے بھائی غلام حسین

چوک اعظم سے بھائی محمد اشرف کے والد

چوک اعظم سے بھائی رضوان علوی کی خالہ

چوک اعظم سے بھائی حاجی اصغر علی کے بہنوئی

چوک اعظم سے بھائی شہباز گل کی والدہ

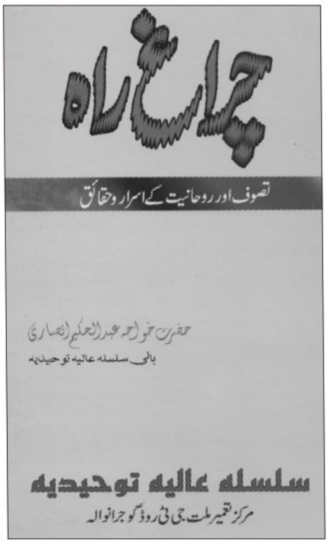
گوجرانوالہ سے بھائی عطاء الرحمٰن کی خالہ (بھائی جان محمد طالب کی سالی)

گوجرانولہ سے بھائی شفیق احمد کے تایا زاد بھائی

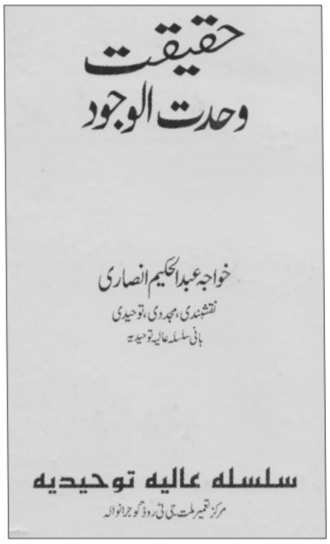
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اورناگزیریت ،بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اورروحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔



Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com